ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.4, 2023

# سامی اور آریائی مذاہب کا تصور تعلیم: تعلیمات اسلامیہ کی روشنی میں تقابلی مطالعہ

# The Concept of Education in Semitic and Aryan Religions: A Comparative Study in the Light of Islamic Teachings

☆اظہر حسین :ایم فل۔اسکالر،انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک سٹڈیز پنجاب یونیورسٹی لاہور
☆☆نورین طاہر :ایم فل۔اسکالر،انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز پنجاب یونیورسٹی لاہور
☆☆☆عمر یوسف :لیکچرر اسلامیات، یونیورسٹی آف لاہور،لاہور

## Abstract

*This study delves into the concept of education within Semitic and Aryan religions, juxtaposed against Islamic teachings, offering a comparative analysis. Education, being a cornerstone of societal development and spiritual growth, holds a central place in various religious traditions. Through a meticulous examination of Semitic and Aryan religious perspectives on education, this research aims to shed light on the similarities, differences, and overarching principles that shape educational ideologies in these traditions. By exploring the teachings of Islam in relation to education, this study seeks to provide insights into how Islamic principles inform and enrich contemporary educational practices. It delves into the Quranic injunctions, Prophetic traditions, and the scholarly discourse within Islam regarding the importance, objectives, and methods of education. Furthermore, it investigates how these teachings align with or diverge from the educational paradigms found in Semitic and Aryan religions. Through a comparative lens, this research endeavors to identify commonalities and divergences in the conceptualization and implementation of education across these religious traditions. It aims to elucidate how notions of knowledge acquisition, moral development, and societal progress are conceptualized and pursued within each religious framework. Ultimately, this study contributes to a deeper understanding of the role of education in shaping individual beliefs, societal norms, and ethical values across religious boundaries. It underscores the universality of educational aspirations while acknowledging the unique cultural, historical, and theological contexts that influence educational philosophies within Semitic and Aryan religions, as well as within the Islamic tradition.*

**Keywords:** Education, Semitic religions, Aryan religions, Comparative study, Islamic teachings, Religious perspectives.

### اسلام اور مذہب کا تعارف:

انسانی زندگی میں تعلیم کی ضرورت واہمیت ایک مسلمہ حقیقت ہے۔اس کی تکمیل کے لیے ہر دور میں اہتمام کیا جاتا رہا ہے۔ لیکن اسلام نے تعلیم کی اہمیت پر جو خاص زور دیا ہے اور تعلیم کو جو فضیلت دی ہے دنیا کے کسی مذہب اور کسی نظام نے وہ اہمیت اور فضیلت نہیں دی ہے۔اسلام سے قبل جہاں دنیا میں بہت سی اجارہ داریاں قائم تھیں۔وہاں تعلیم پر بھی بڑی افسوسناک اجارہ دارہ قائم تھی۔اسلام کی آمد سے یہ اجارہ داری ختم ہوئ۔دنیا کے تمام انسانوں کو چاہے وہ کالے ہوں یا گورے، عورت ہو یا مرد، بچے ہوں یا بڑے، سب کو کتاب وحکمت کی تعلیم دینے کی ہدایت دی۔اسلام نے صرف یہ کہ علم حاصل کرنے کی دعوت دی۔ بلکہ ہر شخص کا فرض قرار دیا ہے۔آسمان وزمین نظام فلکیات، نظام شب وروز، بادوباراں، بحرودریا، صحراوکہستان، جان دار بے جان، پرندوچرند، غرض یہ کہ وہ کون سی چیز ہے جس کا مطالعہ کرنے اور اس کی پوشیدہ حکمتوں کا پتہ چلانے کی اسلام میں ترغیب نہیں دی گئی.غالبا دنیا کے تمام مذاہب میں سے قدیم ترین اور سے سے پیچیدہ مذہب ہندومت ہے۔آج کے بہت سے فعال مذاہب تقریباً چھٹی صدی قبل مسیح میں یا بعد میں شروع ہوئے۔جبکہ ہندومت کے کچھ مذہبی نظریات اور صورتیں تیسرے ہزاریے قبل مسیح میں شروع ہوئیں۔ہندومت میں تقریبا ہر اس مذہب کی کوئی نہ کوئی صورت یا انداز ملتا ہے جو قابل تصور یا فعال رہا ہو۔غالبا یہ تمام مذاہب میں سب سے زیادہ رواداری روا رکھنے والا مذہب ہے۔اور اس کی وسعت ارواح پرستی سے لے کر کچھ نہایت اعلیٰ مرتبہ اور مفصل فلسفیانہ نظام تک پھیلی ہوئی ہے۔اس وسیع پیمانے میں ہندومت ہزاروں چھوٹے بڑے دیوتاؤں ان کی عبادت گاہوں اور ان کے پجاریوں کو جگہ دیتا ہے۔لٰہذا کسی ہندو کے لیے ممکن مذہبی خیالات عموما لا محدود ہوتے ہیں۔[1]

---

[1] لیوس مور، مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا، مترجم۔سعدیہ جواد، یاسر جواد،(المطبعتہ العربیہ،مزنگ لاہور، )، ۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.4, 2023

پنڈت جواہر لال نہرو(The Discovery of India) کے صفحہ ۷۳ پر لکھتے ہیں۔

''عقیدہ اور مذہب کی حیثیت سے ہندو مذہب غیر معین اور مبہم بے شکل اور مختلف پہلو رکھتا ہے۔ ہر شخص اپنے مطلب کے مطابق ہر چیز پا سکتا ہے۔ اسکی تعریف کرنا (یا زیادہ صحیح یہ ہے کہ لفظ کے معمولی معنی میں یہ کہنا کہ یہ مذہب ہے یا نہیں ہے) تقریبا ناممکن ہے۔ اس کی موجود شکل میں (بلکہ اس کی سابقہ شکل میں بھی) اس میں اعلیٰ ترین عقائد اور رسومات سے لے کر ادنیٰ ترین عقائد اور رسومات تک شامل تھے جو بیشتر صورتوں میں ایک دوسرے سے مختلف اور متضاد تھے۔'' [2]

حضرت عیسیٰؑ اپنے پیغام کی تکمیل کے لیے داعی ہیں اور حکیم زردشت تو اپنے پیش رو مذہب کا آلائشوں سے پاک کرنے کے دعویدار ہیں۔ لیکن ان میں سے ہر ایک اپنے وقت میں ''کتاب حکمت'' انجیل اور ''الکتاب'' سے فیضیاب رہا۔ ہندو تو کنفیوشیوں سے بھی گئے گذرے ہیں کیونکہ کنفیوشس قدیم روایات کو مدون کر سکا۔ حقیقت حال تو یہ ہے کہ ہندوؤں کو ورد ھمان مہاویر کی ذات میں اور بدھ متیوں کو ساکھیا متی گوتم بدھ کی صورت میں، یا سکھوں کو گرونانک کی صورت میں ملی۔ ایک معنی میں ہندو مذہب کے بانیوں کے ذات ایک فسانہ ہے۔ ان شخصیتوں ''بادل کے پیغامبروں'' کی طرح جو متغیر نوعیت اور بے قرار مزاج رکھتے ہیں۔ خود بھی سایہ اور سراب کی حیثیت رکھتے ہیں۔'' [3]

ہندو اپنے بچوں کو سنسکرت کی تعلیم دیتے تھے، گو ہندو معاشرہ ذات پات کی جکڑ بندیوں میں منقسم تھا اور نچلی ذات کے لوگوں پر حصول تعلیم کے دروازے مکمل طور پر بند تھے۔ اگر وہ غلطی سے وید کا کلام سن بھی لے تو سیسہ پگھلا کر اس کے کانوں میں ڈال دیا جاتا تھا۔ لیکن پھر بھی ان کی کوشش ہوتی تھی کہ کہیں نہ کہیں سے چھپ چھپا کر سنسکرت اور دیگر مذہبی تعلیم ضرور حاصل کر لی جائے۔ [4]

**ہندومت:** اصطلاحی اور علمی زبان میں مذہب کو جو تعریف ہے اس کو مد نظر رکھتے ہوئے کہ کہنا بہت مشکل ہے کہ ہندو مذہب کیا ہے اور کن عقائد پر یقین رکھنا اس مذہب کے ماننے والے کے لیے لازمی ہے، کیونکہ یہودیت، نصرانیت اور اسلام کی طرح نہ تو اس کے کسی پیغمبر کا وجود ہے نہ کسی ایک الہامی کتاب کا اور نہ کسی معین عقیدہ کا۔ [5]

ہندومت یا ہندو دھرم (ہندی: हिन्दू धर्म) جنوبی ایشیا اور بالخصوص بھارت اور نیپال میں غالب اکثریت کا ایک مذہب ہے جس کی بنیاد برصغیر میں رکھی گئی۔ اسے دنیا کا قدیم ترین مذہب مانا جاتا ہے جس کے ابھی بھی پیروکار موجود ہیں

ہندومت کے چھ اہم فرقے ہیں۔

ویشنومت, شیومت, شکتی مت, گنپتی مت, سوریامت, سمارت سوتر

آج ہندومت کی سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ اس نے عوام کے لیے کوئی بھی مسلمہ گائیڈ لائن متعین نہیں کی نیز، کوئی ہندو یہ نہیں کہہ سکتا کہ اگر فلاں فلاں تعلیمات کو نمونہ عمل بنایا جائے تو راہ نجات و فلاح حاصل ہو جائے گی.

**بدھ مت**

بدھ مت ایک مذہب ہے جو برہمنی مذہب کے بعد پانچویں صدی قبل مسیح میں ہندوستان میں ظاہر ہوا تھا۔ ابتدا میں اس مذہب میں انسان کے ساتھ بھلائی کرنے کی طرف توجہ دی گئی۔ اسی طرح اس میں، تصوت تقشف، ناز و نعمت سے دوری، عفو و محبت کی دہائیاں اور بھلائیاں کرنے کی دعوت پائی جاتی تھی، لیکن یہ مذہب اپنے بانی کی وفات کے بعد باطل عقائد میں تبدیل ہو گیا، جب پربت پرستی چھائی ہوئی تھی۔ بدھ مذہب کے پیروکاروں نے اس کے بانی کی ذات کے متعلق غلو سے کام لیتے ہوئے انہیں خدا بنا دیا۔ [6]

**بنیاد اور اہم شخصیات:**

---

[2] احمد عبداللہ، مذاہب عالم، (مکی دار الکتب لاہور، )، ۔

[3] احمد عبداللہ، مذاہب عالم، (مکی دار الکتب لاہور، )، ۲۴۵۔

[4] محمد نواز چودھری، مذاہب عالم (پولیمر پبلیکیشنز، اردو بازار، لاہور ۲۰۰۶ء) ص ۱۷۳

[5] احمد عبداللہ، مذاہب عالم، (مکی دار الکتب لاہور، )، ۲۳۷۔

[6] مذاہب عالم کا جامع انسائیکلوپیڈیا، مترجم، مولانا ابو طاہر محمد صدیق، (ادارۃ القران والعلوم الاسلامیہ کراچی، )، ۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.4, 2023

بدھ مت کا آغاز چھٹی صدی قبل مسیحی میں ہندو مذہبی نظام کی ایک اور وضاحت کے طور پر ہوا۔ بلاشبہ کئی صدیوں تک اسے ہندوستان میں وسیع پذیرائی حاصل ہوئی۔ تاہم تیسری صدی قبل مسیح میں اس نے ہندوستان کی کسی بھی صورت کے لیے کچھ غیر معمولی چیز کو ترقی دی، یعنی تبلیغی سرگرمی۔ ہندوستان کے حکمرانوں نے بدھ مبلغین کو ہمسایہ ایشیائی ممالک میں بھیجا۔ اسی دوران بدھ مت میں نئے نظریات فروغ پا رہے تھے جو ایشائی لوگوں کے لیے زیادہ سے زیادہ پرکشش بن گئے۔ تبلیغی سرگرمی اور نئے نظریات کے امتزاج کی وجہ سے اسے چین، جاپان، کوریا اور چینی ہند میں تیزی سے ترقی حاصل ہوئی۔ جب بدھ مت بیرونی تبلیغ میں کامیاب ہو رہا تھا تو اسے ہندوستان میں ہندومت کے دوبارہ ابھرنے کی وجہ سے ایک طرف دھکیلا جا رہا تھا۔ ہندوستان کے مسلمان فاتحین نے وہاں بدھ مت کے آخری آثار کو بھی تہس نہس کر دیا اور آج اس کے پیروکاروں کو ڈھونڈنے کے لیے دیگر ایشائی اقوام کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔[7]

بدھ مت میں ہر شخص کو بلا تفریق نسل وذات حصول تعلیم کی اجازت تھی۔ ہندو معاشرہ کی جکڑ بندیوں سے تنگ افراد نے راہ فرار اختیار کر کے بدھ مت کو اپنا لیا۔ بدھ مت میں نرمی اور آسانی تھی۔ معاشرتی درجہ بندی اور طبقاتی نظام نہ تھا۔ اپنے آپ کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنے کے لیے شودر اور کھشتریوں نے اس مذہب کو گلے لگایا۔ اس طرح گوتم بدھ کی زندگی میں بھی سادہ نظام تعلیم موجود تھا۔ جس کی خود گوتم مدگ کی سرپرستی کرتے اور اپنے ماننے والوں کو پند و نصائح کرتے۔

## کنفیوشس کا مذہب

اس مذہب کو ماننے والوں کی ایک معقول تعداد گو جاپان میں بھی موجود ہے۔ مگر اصلاً یہ چین کا مقامی اور قدیم ترین مذہب ہے۔ نئے سوشل انقلاب کے بعد کا حال ابھی واضح نہیں ہو سکا مگر اس سے قبل کے زمانے میں چین کے اندر بدھ مذہب کے علاوہ دو بڑے مقامی مذاہب کا عمل دخل رہا ہے۔ ایک ٹاؤازم اور دوسرا کنفیوشزم۔ مسلمانون کی تعداد کے بارے میں مختلف آرا و خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔ یہ بھی تا حال پوری طرح معلوم نہیں ہے۔ کہ کمیونسٹ انقلاب کے بعد ان کا چین میں کیا حال ہے۔ بتایا جات ہے کہ ایک بڑے صوبے سنکیانگ غالباً چینی ترکستان۔ میں مسلمانوں کی اکثریت رہی ہے۔ پھر اخبارات میں یہ خبریں آتی رہیں۔ کہ یہی صوبہ زیادہ تر ثقافتی انقلاب کی زد میں رہا ہے۔ سالہا سال تک اس صوبہ کو ثقافتی انقلاب کی آماج گاہ بنائے رکھا گیا ہے۔ سوشلسٹ کمیونسٹ اصطلاحات کو سمجھنے والوں کو خیال ہے کہ اب صوبہ سنکیانگ میں مسلمانوں کی اکثریت نہیں رہی۔ چین سے بھاگ کر قریبی ممالک یا عرب ممالک میں پناہ لینے والے چینی مسلمانوں کے بیانات سے اس کی تائید ہوتی ہے۔[8]

## چین کے قدیم مذاہب

بدھ مذہب تو چین میں ہندوستان سے درآمد ہوا۔ مگ اس کے دو مقامی مذاہب میں ساٹاؤازم قدیم تر ہے۔ اس کے بعد قدامت میں کنفیوشس کے مذہب کا نمبر آتا ہے۔ لیکن اس امر بھی کچھ الجھاؤ موجود ہے۔ کیونکہ بتایا گیا ہے کہ لاؤزے، لاؤتے لاؤنڈے جو ٹاؤازم کا بانی تھا۔ وہ کنفیوشس کا ہم عصر تھا۔ موخر الذکر نے اس سے بہت کچھ سیکھا تھا۔ یہ دونون مذہب کئی امور میں مشترک بھی ہیں۔ مثلاً مقامی روایات اور قومی موروثی اوہام و خرافات کی دونوں میں یکساں بھرمار ہوئی ہے۔ ٹاؤ کا لفظی معنٰی ہیں طرز عمل، رویہ، وطیرہ یا طریقہ۔ پہلے یہ لفظ قانون قدرت یا انسانیت کی فطری رفتار کے معنی میں استعمال ہوا۔ مگر بعد میں مذہب کا ہم معنی بن گیا۔ ٹاؤازم بنیادی طور پر ایک تعلیمی، اخلاقی اور سیاسی ضابطہ عمل ہے۔ اس ضابطے پر مقامی روایات، موروثی رسوم اور قدامت کی چھاپ لگی ہوئی ہے۔ چینی قدامت پرست ہونے کے باعث اسے بہت عزیز رکھتے ہیں۔ ٹاؤازم کا بانی کنفیوشس کا مانند ہے اپنے فلسفیانہ افکار اور حکیمانہ خیالات کے باعث بہت مشہور اور مقبول عوام رہا ہے۔ اس کے فلسفیانہ افکار کے ساتھ۔ فلاسفہ یونان کی مانند۔۔ دیوی دیوتاؤں، غیر مرئی ارواح اور بزرگوں کی پرستش کو شامل کر کے ایک مذہب تیار کیا گیا ہو جو امتداد زمانہ کے ساتھ ٹاؤمٹ کے نام سے معروف ہو گیا۔

جہاں تک حکیم کنفیوشس کا معاملہ ہے۔ وہ بھی ایک دانشمند، فلسفی، سیاستدان اور معلم اخلاق کی حیثیت رکھتا ہے۔ فلاسفہ یونان کی مانند اس نے مقامی دیوی دیوتاؤن رسم و رواج، معاشرتی آداب اور بت پرستی کہ نہیں چھیڑا۔ نہ مقامی روایات سے تعرض کیا، جہاں تک ہو سکا ان کے ساتھ مصالحانہ رویہ اختیار کیا اور انہیں اپنی اخلاقی و سیاسی افکار و تعلیمات کے ساتھ خلط ملط کر دیا، شائد یہ اس لیے کہ لوگ بدک نہ جائیں اور اُس کے اصل کام میں رکاوٹ نہ پڑے۔ پھر جس طرح ہمیشہ ہوا ہے آگے چل کر یہ فلسفہ اور

---

[7] لیوس مور، مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا، مترجم۔ سعدیہ جواد، یاسر جواد، (المطبعتہ العربیہ، مزنگ لاہور، )، ۔

[8] پروفیسر میاں منظور احمد، تقابل ادیان و مذاہب، (علمی بک ہاؤس لاہور، )، ۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.4, 2023

دانش مندانہ افکار ایک مستقبل مذہب کی حیثیت اختیار کر گئے۔ جس طرح ٹاؤازم چین کا قدیم ترین مذہب ہے۔(یہاں تک کہا گیا ہے کہ وہ لاؤزے سے بھی ہزاروں سال پہلے سے چلا آرہا تھا۔اس نے صرف اسے مرتب و مدون کرنے کا کام انجام دیا اسی طرح کنفیوشزم موجودہ سوشل انقلاب سے قبل تک وہاں کا عظیم ترین مذہب شمار ہوتا تھا۔ کنفیوشزم کا نام مغرب سے درآمد ہوا ہے۔اصل نام کنگ چیو یعنی تعلیمات کنفیوشس ہے۔اسے شیو شئیو بھی کہتے ہیں۔یعنی علما کی تنظیم۔۔اس گروہ کی تاریخ کا سراغ 25 صدی قبل سے لگایا جاتا ہے۔اور کم و بیش دو ہزار برس تک چین پر اس کی حکومت بھی رہ چکی ہے۔لہٰذا ہر آنے والی حکومت اسی کی پیروکار کی مدعی تھی۔[9]

**کنفیوشس ازم:** تعلیم کا تصور کنفیوشس ازم میں بھی ملتا ہے۔وہ اپنے ماننے والوں کو یہ تعلیم دیا کرتا تھا کہ اپنے اپنے حقوق و فرائض خلوص سے ادا کرنا معاشرے میں بگاڑ اور فساد کو دور کرنا ہے۔وہ اپنے پیروکاون کو یہ بتاتا کہ بنیادی انقلاب اس وقت تک نہیں آسکتا جب تک ہر ایک اپنے اپنے مرتبہ و مقام کا خیال نہ رکھے۔

**زرتشت مذہب:**

یہ دنیا کے قدیم ترین زندہ مذاہب میں سے ایک ہے۔متفقہ تاریخ کے مطابق یہ زیادہ سے زیادہ تین ہزار سال پرانا ہے۔بعد میں آنے والے مذاہب عیسائیت اور اسلام کے برعکس زرتشت مت آج ایک لاکھ پچاس ہزار پیروکاروں کا ایک چوٹھا سا مذہب ہے۔بایں ہمہ دنیا کے مذاہب پر کسی بھی مطالعہ میں اسے نظرانداز نہیں کیا جاسکتا کیونکہ یہودیت، عیسائیت اور اسلام کے فروغ میں اس کا بڑا حصہ ہے۔[10]

دین زرتشت کو الہامی مذاہب کی فہرست میں جگہ نہیں دی جاسکتی کیونکہ اس کے متعلق کتاب و سنت کی واضح ہدایت یا صراحت مفقود ہے۔تاہم اتنا ضرور کہا جاسکتا ہے۔کہ دنیا کے دوسرے غیر الہامی مذاہب سے یہ مذہب اپنی ابتدائی تعلیمات کی رو سے بالکل ممتاز ہے۔بعد کے دین زرتشت۔موجودہ پارسیوں کا مذہب۔کو اگر نظرانداز کر دیا جاتے تو اس میں خالص توحید، اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات، ادھی والہام، آخرت کی زندگی ملائکہ اور دیگر برحق دینی عقائد۔جو ہمیشہ انبیا اور رسل نے پیش کیے تھے۔صاف نظر آتے ہیں۔پس اس مذہب کو ہم بدھمت، ہندومت، جین مت، ٹاؤازم اور کنفیوشزم کے زمرے میں شمار نہیں کر سکتے۔مگر مقام افسوس ہے کہ اج جناب زرتشت کی صحیح تعلیمات بھی دھندلا چکی ہیں۔اور ان کے نام پر مشہور ہونے والا مذہب آتش پرستی اور مجوسیت بن کر رہ گیا ہے۔

زرنشت کی شخصیت، نام، علاقے اور کام میں شدید اختلاف ہوا ہے اسی بنا پر بعض ماہرین مذاہب اسے ایک افسانوی وجود قرار دیتے ہیں۔لیکن تاریخ کی قوی شہادتوں کے پیش نظر یہ خیال غلط ہے۔ان کا نام زرتشت بازروشت یازرتشت یازرادشت تھا۔مرور زمانہ سے اشخاص کی شخصیت یا نام وغیرہ میں اختلاف کا پیدا ہو جانا قرین قیاس ہے۔بعض مورخیں نے انہیں جادوگر قرار دیا ہے۔جس کا سبب یہ ہوا کہ وہ مجوسی قوم میں پیدا ہوئے تھے۔جو جادوگری، منتر جنتر، فال گری، مستقبل کی پیش گوئی اور ٹونے ٹوٹکے کے ماہر تصور کئے جاتے تھے۔قدیم ایران میں یہ طبقہ وہی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔جو ہندوستان میں برہمن کو حاصل تھا۔لفظ مجوس کی تحقیق میں بعض لوگوں نے MAGIC کا ذکر بھی کیا ہے۔مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ زرتشت بھی جادوگر ہوگا۔زرتشت کی شخصیت ایک تاریخی وجود رکھتی ہے۔اس کا تعلق آریائی نسل سے تھا۔یعنی آریاؤں کا وہ طبقہ کو ایران میں متوطن ہو چکا تھا۔اسی طبقے کے ایک خاص گروہ مجوس میں زرتشت کی پیدائش ہوئی۔آبائی پیشے کے لحاظ سے وہ زمیندار اور کاشت کار تھا۔شخصیت کی طرح اس کے وطن اور زمانے میں بھی کافی اختلاف ہے۔بعض نے چھٹی صدی قبل مسیحؑ اور بعض نے ایک ہزار بلکہ دو ہزار برس قبل مسیحؑ تک کہا ہے۔وطن مغربی ایران یا فلسطین بتایا جاتا ہے۔ان میں سے پہلا قرین قیاس ہے۔جہاں تک اس کے زمانے کا تعلق ہے۔وہ غالباً نویں صدی قبل مسیحؑ ہے۔[11]

زرتشت مذہب میں بھی تعلیم کے آثار ملتے ہیں۔مثلاً زرتشت اپنے ماننے والوں کو افکار کی پاکیزگی کا درس دیتا ہے۔زرتشت کے بقول اگر انسان کے افکار میں پاکیزگی اور صفائی آجائے تو اعمال میں درستگی خود بخود آجاتی ہے۔

**یونان اور تعلیم**

---

[9] پروفیسر میاں منظور احمد، تقابل ادیان و مذاہب،(علمی بک ہاؤس لاہور، )، تا ۔

[10] لیوس مور، مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا، مترجم۔سعدیہ جواد، یاسر جواد،(المطبعۃ العربیہ، مزنگ لاہور، )، ۔

[11] پروفیسر میاں منظور احمد، تقابل ادیان و مذاہب،(علمی بک ہاؤس لاہور، )، ۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.4, 2023

قدیم یونان میں مذہب کے لیے جدید دور کے معنوں میں مستعمل لفظ تو نہیں تھا۔تاہم ان کے یہاں مختلف عقائد اور رسومات کا نظام ان کا مذہب تھا۔قدیم یونانی مذہب کا آغاز ابہام کا شکار ہے تاہم یہ مختلف ذرائع (نئے دور حجر۔انڈو یورپ۔کریٹ۔مشرق قریب، مصر وغیرہ) کے مختلف تصورات کے انضمام سے بتدریج نشوونما پا گیا۔

یونانی مذہب میں روایتی مذاہب کی طرح نہ کوئی ضابطہ تھا نہ کوئی مقدس متن تھا اور نہ کوئی نبی یا پیغمبر۔بلکہ یہ دیومالائی عقائد کا مجموعہ تھا

یونانی کثرت پرست تھے یعنی بہت سارے دیوتاؤں اور ماوراء فطرت اشیاء پر اعتقاد رکھتے تھے۔ان کا عقیدہ یہ تھا کہ ان دیوتاؤں کا احترام دنیاوی فوائد کے حصول کے ضروری ہے۔یونانی دیوتاؤں کو انسانی جیسی صورت اور جذبات رکھنے والے ہستیاں خیال کرتے تھے۔دیوتاؤں کی ناراضگی سے گریز کیا جاتا تھا۔جانوروں اور دوسری اشیاء کی قربانی۔ان سے منسوب مندروں کی سجاوٹ اور آرائش، ان کی عبادت اور ان کے اعزاز میں تقریبات منعقد کرانا دیوتاؤں کو خوش کرنے کے ذریعے سمجھے جاتے تھے۔جبکہ غیر مناسب طریقے سے قربانی، مندروں کے تقدس کی پامالی اور قسم توڑنے کو دیوتاؤں کی ناراضگی کا باعث گردانا جاتا تھا۔جن کی سزا یا نتیجہ، ان کے اعتقاد کے مطابق، قحط، زلزلوں، وفاوں اور جنگوں میں شکست کی صورت میں ملتی تھی۔یونانی مذہبی زندگی کی تین نمایاں سطحیں یا نظام تھے۔

(1) تمام یونانیوں کا بارہ (12) دیوتاؤں پر مبنی مشترکہ دیومالائی نظام۔

ھومر (Homer) کی رزمیوں (Epics) سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دور 8 ویں صدی ق م تک دیومالائی دیوتاؤں کا مفصل نظام ترتیب پا چکا تھا۔یہ نظام (دیومالا) 12 دیوتا اور دیویوں پر مبنی تھا۔یونانیوں کے اعتقاد کے مطابق یونان کے سب سے اونچے پہاڑ کوہ اولمپس (Olymepe s) پر ان کا ٹھکانہ تھا اور دنیا کی تقدیر کی نگرانی کے فرائض نبھاتے تھے۔زیوس (Zeus) آسمان کا دیوتا۔ان کا لیڈر سمجھا جاتا تھا جبکہ بقیہ 11 دیوتا اور دیویاں ذیل تھے۔

1۔ہیرا (Hira زیوس کہ بیوی (شادی کی دیوی)

2۔اپروڈائٹ (Aphrodite محبت کی دیوی)

3۔آپالو (Appallo سورج کا دیوتا۔

4۔اریس (Aris جنگ کا دیوتا۔

5ارتیمس۔ (Artemis فطرت کی دیوی۔

6۔اتھینا Athena ۔عقل اور جنگ کی دیوی

7۔دامیتر (Demeter فضل اور کٹائی کی دیوی۔

8۔ڈیونسیس۔ (Dionysus شراب کا دیوتا۔

9۔ہیپاستس۔ (Hephaestus آگ کا دیوتا

10۔ہرمیس۔ (Hermis دیوتاؤں کا قاصد

اور

11 پوسیڈن (Poseidon سمندر کا دیوتا۔

یونانی دیوتاؤں کی ایک بڑی خصوصیت یہ تھی کہ ان کو عموماً انسانوں جیسی خصوصیات والے سمجھے جاتے تھے سوا یہ کہ وہ لافانی تھے۔بلاشبہ وہ بڑے طاقتور خیال کیے جاتے تھے تاہم ان کی انسانوں جیسی خصوصیات ان کو انسانوں کے قریب لا کر زیادہ خوفناک نہیں سمجھتے تھے۔

قدیم یونان کی ہر شہری ریاست مذکورہ ایک یا زیادہ دیوتاؤں سے منسلک تھا جن کے احترام میں مندر بنائے جاتے تھے۔اور ان میں ان کے مجسمے رکھے جاتے تھے۔بعض موقعوں پر تمام یونانی کوہ اولمپس پر رہنے والے سارے دیوتاؤں کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے قومی تقاریب منعقد کرتے تھے۔776 ق م اولمپک کھیلوں کی ابتداء اس نوع کی قومی مذہبی تقریب تھی۔

مذکورہ 12 مشترکہ دیوتاؤں کے علاوہ ہر شہر کے اپنے مقامی دیوتا بھی ہوتے تھے اور اسی طرح ہر گھرانے کے بھی انفرادی دیوتا ہوتے تھے۔

(2)۔قدیم یونان میں دوسرا مذہبی رجحان یا نظام یا سطح میسٹری کلٹس (Mystery Cult) کا تھا جو عام مروجہ شہری مذہب کی نسبت زیادہ جذباتی اور شخصی نوعیت کے مذہبی تسکین کا ذریعہ سمجھے جاتے تھے۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.4, 2023

''مسٹری کلٹس'' فطرت کی پراسرار قوتوں کی قدیم پرستش کے پیروی میں ایسے دیوتا پر عقیدہ رکھنے پر استوار تھے جو مر جانے کے بعد پھر سے اٹھ کر فرد کے لیے نجات دہندہ بن جاتا تھا۔ مخصوص عقائد اور رسومات پر مبنی ان مسالک کے رسومات کو خفیہ رکھا جاتا تھا۔

یونان میں مختلف دیوتاؤں پر کئی مسٹری مسالک پائے جاتے تھے۔ جن میں ایک اہم فصل اور کٹائی کے دیوتا Demeter دیوتا کا Demeter cult) تھا ایک اور اہم ڈائنوسس مسلک (Dionysus cult) تھا۔ جو شراب کے دیوتا ڈائنوسس (Dionysus) سے متعلق تھا۔ اس کی عبادت کے سلسلے میں شامل افراد انتہائی جذباتی تزکیہ تقاریب اور بعض ایسے رسومات ادا کرتے تھے جس کے کچھ پہلو بیہودہ اور وحشیانہ قسم کے تھے جو بہت سارے یونانیوں کے لیے گراں بار تھے۔ وقت کے ساتھ اس ''مسٹری کلٹ'' کی جگہ نسبتاً بہتر ''آرپیزم کلٹ'' ( Orphism cult) نے لی جو ڈائنوسس کی اصلاح یافتہ صورت تھی۔ جس میں لافانیت اور شخصی دیوتا کے عقائد برقرار رہے جبکہ بیہودہ رسومات کی جگہ روحانیت کے لیے خالص اخلاقی زندگی پر زور دیا گیا۔ ''مسٹری مسالک'' یونانیوں کی زندگی میں جذبات کو متحرک کرنے اور فرد اور اس کے مسائل پر توجہ مرکوز کرنے میں اہمیت رکھتے تھے۔

( 3)۔ قدیم یونان کی مذہبی زندگی کی ایک تیسری سطح یا نظام بے شمار ارواح کی پرستش تھی۔ جن کے متعلق ان کا یہ اعتقاد تھا کہ وہ انسانی زندگی کے ہر پہلو پر حاوی ہیں۔ ہر یونانی فرد اور گھرانے سینکڑوں ایسی قوتوں کا احترام کرتے تھے جو ان کے خیال میں فصلوں کی اگائی اور افراد کی صحت وغیرہ میں مددگار تھیں۔ ایک لحاظ یہ عام مذہبی اعتقاد ہر یونانی گھرانے کے لیے بڑے 12 دیوتاؤں کی پرستش سے زیادہ اہم تھا۔

مذکورہ تینوں مذہبی نظام یونانی زندگی میں اہم کردار کے حامل تھے۔ کیونکہ یہ بیشتر یونانیوں کو ان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تحفظ و نگرانی کے سلسلے میں ایک اعلیٰ تر قوت کا ادراک کراتے تھے۔

چونکہ یہ دیوتا رحم دل اور مہربان گردانے جاتے تھے اور زمین سے زیادہ دور یا ماوراء نہیں سمجھے جاتے تھے اس لیے یہ زیادہ خوفناک قسم کے دیوتا نہیں تھے۔ مزید یہ کہ یونانی مذہبی تصورات انسان میں اعتماد پیدا کراتے تھے۔ اور ان کو دیوتاؤں جیسا بننے (یعنی ان جیسی صفات اپنانے) کی کوششوں پر اکساتے۔ یہی اسپرٹ فکر اور اظہار کئی لیے بھرپور محرک مہیا کرتا رہا نیز یونانیوں کے لیے مذہبی موضوعات، ادب اور آرٹ کی تخلیق کے لیے مواد فراہم کرنے کا باعث بھی رہے۔

یونان نے زمانہ قدیم میں تمام دنیا میں چھائی ہوئی جہالت کی تاریکیوں میں علم کی شمع روشن کی۔ اور جاہل اور وحشی اقوام کو تہذیب و تمدن کا درس دیا۔ اس کے عظیم مفکرین سقراط، افلاطون اور ارسطو نے انسانی افکار پر بڑے گہرے اور دُور رس اثرات مرتب کیے۔

قریباً ایک ہزار سال قبل مسیح یونان کئی آزاد اور خود مختار ریاستوں میں منقسم تھا۔ یہ ریاستیں ایک دوسرے سے برسرپیکار رہتی تھیں۔ لڑائی میں جو ریاست مفتوح ہوتی۔ اُس کے باشندے غلام شمار ہوتے۔ یوں ہر ریاست میں لوگوں کے تین طبقے بن گئے تھے۔

**شہری:** جو زمینوں اور دوسری جائیدادوں کے مالک، سیاستدان، فوجی اور سول حاکم تھے۔

**پراونشل:** تھوڑی زمین کے مالک، پیشہ ور تاجر وغیرہ، اُنہیں سیاسی حقوق حاصل نہ تھے۔

**غلام:** یہ ہر قسم کے سیاسی معاشی اور شہری حقوق سے محروم تھے۔ ان کا کام صرف خدمت تھا۔

ان ریاستون میں تعلیم صرف شہریوں کے لیے تھی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ فرد کی جسمانی، ذہنی، روحانی ار اخلاقی ہمہ گیر نشوونما کی جائے۔ تاکہ وہ تربیت پاکر ریاست کے انتظام میں ہاتھ بٹا سکے۔ ان ریاستوں میں تعلیمی لحاظ سے دو ریاستیں بہت اہم تھیں جنہیں تاریخ میں ایتھنز اور سپارٹا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

**نظام تعلیم:**

اہل سپارٹا کے نظام تعلیم کا بنیادی مقصد ایسے افراد تیار کرنا تھا جو مملکت کی حفاظت کر سکیں۔ اور مفتوحہ علاقوں میں بغاوت کی روک تھام کر سکیں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے تمام تر توجہ جسمانی تربیت اور فوجی امور پر مرکوز تھی۔ فوجی تعلیم لازمی تھی۔ بچوں کو دلیر جنگجو اور جسمانی طور پر طاقتور اور جفاکش بنایا جاتا تھا۔ انہیں ڈھیلا ڈھالا لباس پہنایا جاتا۔ تاکہ جسم کی نشوونما میں رکاوٹ پیدا نہ ہو۔

قدیم یونان کی تاریخ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ ایتھنز میں ابتدا میں شہنشاہیت قائم تھی۔ لیکن کچھ اختیارات اشراف اور عام شہریوں کو بھی حاصل تھے۔ لیکن کچھ عرصے بعد طبقہ اشرافیہ نے اقتدار پر قبضہ جمالیا اور اپنی حکومت قائم کرلی۔ اشرافیہ طرز حکومت کے بعد ایتھنز میں جمہوری طرز حکومت قائم ہوئی۔ یہ جمہوریت براہ راست جمہوریت تھی۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.4, 2023

ایتھنز میں تعلیم ریاست کے کنٹرول سے بالکل آزاد تھی۔ اگرچہ اخلاق کی حفاظت اور نگرانی کے لیے ایک افسر مقرر تھا۔ بچے کی جسمانی، ذہنی، اخلاقی اور روحانی غرضیکہ ہمہ پہلو نشوونما کی جاتی تھی۔ اسے محض جنگ کے لیے تیار نہیں کیا جاتا تھا۔ بلکہ زمانہ امن میں بھی ملک و قوم کی خدمت پیش نظر تھی۔

سقراط ۴۷۰ ق م میں ایتھنز میں ایک غریب آدمی سرفرونسکوس نامی شخص کے گھر پیدا ہوا۔ سقراط کی ماں فینارائے دایہ تھی۔ اس نے ابتدائی زندگی کیسے گزاری اور تعلیم وتربیت کے بارے میں ہمیں کوئی معلومات نہیں ملتیں البتہ وہ سوفسطائیہ اور گذشتہ فلسفیوں کے نظریات سے بخوبی واقف تھا۔ لیکن اس کا فلسفہ زیادہ تر اس کے اپنے تفکر اور ایتھنز میں مروجہ تہذیب و تمدن کا رہن منت ہے۔

سقراط دیگر سوفسطوں کی طرح ایتھنز میں باہر سے نہیں آیا تھا۔ بلکہ وہیں پیدا ہوا لیکن علم و فضل میں دوسروں سے کہیں بلند تھا۔ اس نے خود کوئی کتاب نہیں لکھی البتہ اس کے خیالات و نظریات اس کے شاگرد افلاطون کی کتاب جمہوریت جو مکالمات کی شکل میں ہے، سے ظاہر ہوتے ہیں۔ سقراط لوگوں کے عقائد و خیالات پوچھ کر اُن سے سوالات کرتا اور ان کی غلطیاں واضح کرتا۔ یہاں تک کہ وہ لاجواب ہو جاتے۔ وہ عموماً نیکی، سچائی، حسن اور انصاف وغیرہ کی ماہیت پوچھتا۔

سقراط کے تعلیمی نظریات کے خدوخال مندرجہ ذیل ہیں۔

فرد حقیقت اور سچائی کی کسوٹی ہے۔ لیکن صرف وہی فرد جو علم رکھتا اور حقیقت کہ پہچان سکتا ہو۔

حقیقت کو پانے کے لیے علم ضروری ہے۔

عرفان حقیقت ہی اعلیٰ اخلاق ہے۔

ہر شخص میں علم حاصل کرنے کی صلاحیت ہے۔

علم نیکی ہے۔ علم اور عمل مترادف الفاظ ہیں۔ اگر کوئی فرد کسی حقیقت کو جان لے گا۔ تو پھر اس پر عمل بھی کرے گا۔

علم کسی کی جائیداد نہیں جو چاہے اسے حاصل کر سکتا ہے۔

**افلاطون**

افلاطون ایتھنز میں ۴۲۸ ق م میں پیدا ہوا۔ وہ ایک متمول اور ذی وقار خاندان کا چشم وچراغ تھا۔ باپ کی طرف سے اس کا سلسلہ نسب ایتھنز کے قدیم بادشاہوں سے ملتا تھا۔ ماں کی طرف سے مشہور مقنن سولون اس کے اجداد میں سے تھا۔ اس کے خاندان کے ایک نامور فرد نے ۴۰۲ ق م میں رونما ہونے والے انقلاب میں نمایاں کردار ادا کیا تھا۔ بعض مبصرین کے نزدیک جمہوریت سے نفرت اس کو خاندان سے ورثے میں ملی تھی۔

افلاطون شاعری اور موسیقی کی دنیا میں مگن تھا کہ سقراط کے محیر العقول دلائل نے اُسے اپنی طرف راغب کیا۔

افلاطون نے عمر بھر سقراط کے نظریات کی اشاعت و تبلیغ کی اپنی زندگی کا مقصد بنالیا تھا۔ افلاطون کی تصانیف کے مطالعے سے بڑی حد تک یہ بات ثابت ہو جاتی ہے۔

افلاطون تعلیم کو بے حد اہمیت دیتا ہے۔ اس کے نزدیک انسان کی بنیادی خوبی یہ ہے کہ وہ تعلیم یافتہ ہو کیونکہ تعلیم ہی کی بدولت معاشرے کی اصلاح اور مملت کا استحکام و ترقی ممکن ہے۔

نیکی سچائی اور انصاف ملک کے ہر فرد کے لیے مسرت کا ذریعہ ہے۔ لیکن ان اوصاف کے حصول کے لیے حقیقت کا علم ضروری ہے۔

افلاطون کے نزدیک علم اور عمل مترادف ہیں۔ یعنی جو شخص حقیقت سے آگاہ ہو گا اس پر عمل کرے گا۔ پس فرد کو سچائی کے راستے پر چلانے اور معاشرے میں انصاف چلانے کے لیے افراد کو زیور علم سے آراستہ کرنا ضروری ہے۔

افلاطون کے نزدیک مثالی مملکت میں ہر شخص کو تعلیم کے لیے یکساں مواقع حاصل ہونا چاہیئں۔ اس میں رنگ و نسل یا دولت کا کوئی امتیاز نہ ہو۔ تمام افراد کو ان کی صلاحیت واستعداد کے مطابق ملے یہ نظریہ بڑا جمہوری ہے۔

افلاطون نے معاشرے کے تمام افراد کو ان کی فطری صلاحیتوں اور تعلیم کی بنیاد پر تین طبقات میں تقسیم کیا ہے۔ خیال رہے یہ تقسیم نہ تو رنگ و نسل یا دولت پر مبنی ہے اور نہ ہی مستقل۔ اس میں ادنی طبقے کا فرد محنت سے اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے اعلیٰ طبقے میں شامل ہو سکتا ہے۔ یہ طبقے یہ ہیں۔

- فلسفی
- فوجی

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.4, 2023

- دستکار، کاشت کار یا تاجر وغیرہ

**تعلیم کی نوعیت**

افلاطون فرد کی متوازن جسمانی اور ذہنی تعلیم کا حامی ہے۔ کیونکہ شخصیت کی غیر متوازن نشوونما فرد اور معاشرے دونوں کے لیے نقصان دہ ہے۔ وہ جسمانی تعلیم کے لیے جمناسٹک اور ذہنی تعلیم کے لے موسیقی کی سفارش کرتا ہے۔ اخلاقی تعلیمات کے حصول پر زور دیتا ہے۔

افلاطون کے نزدیک عورتیں بھی وہ تمام کام کر سکتی ہیں جو مرد کرتے ہیں نیز انہیں بھی ویسی تعلیم دی جائے جیسی مردوں کو۔

افلاطون تعلیم میں جبر کا قائل نہیں۔ معلومات کو زبردستی ذہن میں نہ ٹھونسا جائے نفسیاتی اور عملی طریقے اختیار کرنے کی سفارش کرتا ہے۔

**نظام تعلیم**

افلاطون کے نزدیک ریاست کا فرض ہے کہ وہ ہر شخص کو اس کی صلاحیت واستعداد کی مطابق تعلیمی مواقع اور سہولتیں بہم پہنچائیے۔

افلاطون کے نزدیک تعلیم کی اہمیت اس قدر زیادہ تھی۔ اگر وہ اسے ذاتی معاملہ قرار نہ دے سکتا تھا۔ اور نہ ہی اسے تجارت بننے کی اجازت دے سکتا تھا بلکہ اسے ریاست کا کام قرار دیتا ہے کہ وہ اس بات کا یقین پیدا کرتا ہے کہ تعلیم کا معیار ایسا ہو جو ریاست کی یک جہتی اور بہبود کے لیے مفید ہو۔ ارسطو خود مالدار تھا۔ اور اس کی بیوی ورثے میں بہت دولت چھوڑ دی گئی تھی۔ اس کے علاوہ فلپ اور سکندر نے علمی تحقیقات کے صلے میں اس کو بڑی رقمیں عطا کی تھیں چنانچہ ارسطو نے ایتھنز کا سب سے عمدہ جمناسٹک گھر جو دیوتا ایولو لیسیں کے نام سے منسوب تھا خریدا اور اس کی عمارتوں میں اپنا ذاتی مدرسہ قائم کیا۔ جو لائسیم کے نام سے مشہور ہو۔ ارسطو نے یہ مدرسہ ۳۳۵ ق م میں قائم کیا تھا۔ اس وقت ارسطو کی عمر پچاس سال کی تھی۔ ارسطو کا یہ مدرسہ افلاطون کی اکیڈیمی کا حریف سمجھا جانے لگا۔ دونوں مدرسوں میں فرق یہ تھا کہ رئیسوں کے بچے اکیڈیمی میں داخلے لیتے۔ جبکہ متوسط طبقے کے بچے ارسطو کے مدرسے سے لائسیم میں تعلیم پاتے۔

ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ مدرسہ دراصل تعلیم و تحقیق اور تدقیق کا بڑا اہم ادارا تھا۔

ارسطو کے تعلیمی نظریات اس کی دو مشہور تصانیف ''سیاسیات'' اور ''اخلاقیات'' پائے جاتے ہیں۔ اپنی مایہ ناز تصنیف ''اخلاقیات'' میں ارسطو نے انسانی کردار کے اصولوں پر روشنی ڈالی ہے۔ ارسطو کہتا ہے کہ تعلیم مملکت کی اصلاح کے لیے بے حد ضروری ہے۔ اپنے تعلیمی نظریات کو واضح طور پر بیان کرنے کے لیے ارسطو نے انسانی روح کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

- عقل فعال
- انفعالی عقل

بہترین تعلیم وہی تصور کی جاتی ہے جو روح، جسم، عقل فعال اور انفعالی عقل کی تربیت پر مشتمل ہو۔ ارسطو کہتا ہے کہ ورزش جسمانی تعلیم ہے۔ سائنس اور فلسفہ فعالی عقل کے لیے بے حد ضروری ہے۔

کہ اخلاقی تعلیم انفعالی عقل کے لیے کافی اہم ہے۔ ارسطو اپنے استاد افلاطون کی طرح جسمانی تعلیم پر زور دیتا ہے اور کہتا ہے کہ سب سے پہلے جسمانی تعلیم ملنی چاہیے۔ کیونکہ بچوں اور کردار اور شخصیت کو بہترین بنانے کے لیے اخلاقی بہت تعلیم ضروری ہے۔ لہٰذا اخلاقی تعلیم والدین اور حکومت دونوں کا فرض ہے۔ اخلاقی تعلیم بچوں کے کردار میں پختگی پیدا کرتی ہے۔ جبکہ جسمانی تعلیم ان کو بہادار اور نڈر بنانے میں مدد دیتی ہے۔

ارسطو نے عورتوں کو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے سے محروم رکھا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ عورتوں کو اعلیٰ تعلیم نہیں ملنی چاہیے۔ کیونکہ عورتوں کے لیے اعلیٰ تعلیم بے کار ثابت ہوتی ہے۔ لہٰذا ارسطو کا نظریہ تعلیم صرف مردوں کے لیے ہے۔

ارسطو کہتا ہے کہ اعلیٰ تعلیم کا انتظام کرنا ریاست کا اولین فرض ہے۔ کیونکہ ارسطو نے جسمانی اور دماغی صلاحیتوں کی بنیاد پر انسان میں تفریق کی ہے۔ اس وجہ سے وہ کہتا ہے کہ صرف آزاد شہری ہی جو اعلیٰ دماغی صلاحیتوں کے مالک ہوتے ہیں۔ اعلیٰ تعلیم حاصل کر سکتے ہیں۔ تعلیم صلاحیتوں کے مطابق ہونی چاہیے۔ ارسطو مساوات کا قائل نہیں تھا۔ اس لیے وہ کہتا ہے کہ غلاموں کو صرف دستکاری کی تعلیم ملنی چاہیے لیکن آزاد شہریوں کا نظام ان کی فطرت اور بالیدگی کے عین مطابق ہونا چاہیے۔

**پستالوزی کا نظریہ تعلیم**

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.4, 2023

پستالوزی نے اپنے تعلیمی نظریے کی بنیاد بچے کی فطرت اور نفسیات پر رکھی ہے۔ یہ پہلا تعلیمی مفکر ہے جس نے تعلیم کے طریقہ تدریس کو نفسیات سے ہم آہنگ کیا اور اساتذہ کی تربیت پر توجہ دی۔ اس نے نامیاتی نظریہ تعلیم پیش کرتے ہوئے کہا کہ بچہ ایک پودے کی مانند ہے جو فطرت کے قوانین کے تحت نشوونما پاتا ہے۔ جس طرح ایک بیج سے پودا فطری طور پر نشوونما پاتا ہے۔ اسی طرح تعلیمی دنیا میں اساتذہ کا کردار ایسے راہنما کا ہے۔ جس کی بدولت بچے خود متحرک ہوتے ہیں۔ پستالوزی کہتا ہے کہ تعلیم کا مقصد بچے کی متوازن نشوونما کرنا ہے۔ اسل لیے دل ودماغ اور جسم تینوں میں ہم آہنگی پیدا کی جائے۔ کیونکہ دل ودماغ اور جسم تینوں ایک ساتھ کام کرتے ہیں۔ اور متوازن شخصیت اسی وقت نشوونما پاتی ہے جب جسمانی ذہنی اور اخلاقی نشوونما ہو۔

پستالوزی کے تعلیمی نظریہ کا محور ''حواس خمسہ'' ہے۔ اس کے نزدیک حواس خمسہ کی تربیت سے فرد کی متعوازن شخصیت کی تشکیل ہوتی ہے۔ پستالوزی بھی روسو کی طرح تعلیم بذریعہ عمل وتجربات اور مشاہدات کی حمایت کرتا ہے۔ اور کتابی علم کی بجائے عملی علم پر زور دیتا ہے۔ اس کے خیال کے مطابق بچہ کی ذہنی صلاحیتیں زندگی کے عام مشاغل اور سرگرمیوں کی مدد سے فروغ پاتی ہیں۔ اس لیے حافظے کی تربیت کی بجائے تدریس کا انداز فطری اور نفسیاتی ہونا چاہیے۔ اور تمام مضامین عمل وتجربات اور مشاہدات کے ذریعے سکھائے جانے چاہیئں۔ تاکہ فرد کی عملی قوتیں نشوونما پائیں۔ اور وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہو جائے۔

جہاں تک اخلاقی تعلیم کا تعلق ہے۔ تو اس کے لیے پستالوزی کا مطابق بچہ اور ماں کے جذباتی تعلقات معاونت کرتے ہیں۔ پستالوزی کہتا ہے کہ اخلاقی ومذہبی تعلیم سے کردار کی تعمیر ہوتی ہے۔ اس لیے مذہبی تعلیم کی ذمہ داری بچے کے گھر سے سپرد ہونی چاہیے۔ خصوصاً اس کی تربیت ماں اچھی طرح کر سکتی ہے۔ پستالوزی نے دستکاری اور دیگر عملی کاموں کی تعلیم پر خاصا زور دیا ہے۔ کیونکہ اس کے مطابق اس سے لوگ معاشی آسودگی حاصل کر کے بڑی حد تک خود کفیل ہو جاتے ہیں۔ **اسلام:**

لفظ اسلام کا مادہ سلم ہے۔ جس کے معنی ہے صلح وسلامتی، پس اسلام کا معنی ہوا: صلح وسلامتی اور امن وآشتی کو پھیلانا، اللہ کے احکام کے آگے گردن جھکانا، حق وصداقت کو تسلیم کر کے اپنے آپ کو خالق ومعبود کی ناراضگی سے بچانا، اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین برحق صرف اسلام ہے۔[12]

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ

جو کوئی بھی اسے چھوڑ کر کوئی اور راستہ اختیار کرے گا۔ وہ دنیا اور آخرت میں خائب وخاسر ہوگا اور اللہ تعالیٰ اسلام کے سوا اور کسی دین کو ہرگز اُس سے قبول نہ کرے گا۔

وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الإِسْلاَمِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ

تمام انبیاور سل اسلام کے داعی تھے۔ ان کی امتون نے اپنا نام مسلم کے سوا کچھ اور رکھا تو پیغمبروں کے بعد اور ان کی تعلیم سے ہٹ کر رکھا تھا۔ ابراہیمؑ اور ان کی ذریت کی دونوں شاخیں ''حنیف'' (موحد) تھیں۔ انبیائے بنی اسرائیل نے اسحاقؑ ویعقوبؑ سے لے کر موسیٰؑ وعیسیٰؑ تک اسلام ہی پیش کیا تھا۔ آخری نبی ﷺ اسلام کو ہر قسم کی آمیزش سے جدا کر کے اور اُس کی تکمیل کر کے آخری دین کے طور دنیا میں پیش کرنے کے لیے آئے تھے۔

لیَومَ أَكمَلتُ لَكُم دِينَكُم وَأَتمَمتُ عَلَيكُم نِعمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الإِسلاَمَ دِينًا

آپ ﷺ کی تشریف آوری سے قبل دنیا والے اسلام کے سبق کو بھلا چکے تھے۔ آپ ﷺ اسی دین حق کو سرفراز کرنے اور ظاہری وباطنی لحاظ سے اسے غالب کو مبعوث ہوئے تھے۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ

### اسلام کا تصور علم

اسلام نے جو تصور علم دیا ہے اس میں سب سے بنیادی چیز یہ ہے کہ علم کا سرچشمہ ذات باری تعالیٰ ہے۔ علم اشیا اسی کا عطا کیا ہوا ہے اور انسان کی ہدایت ورہنمائی کا علم بھی اسی کی طرف ہے۔ علم کے بڑے ذرائع حواس، عقل وتجربہ ہیں۔ لیکن وحی سب سے اعلیٰ ذریعہ علم ہے۔ علاوہ ازیں علم کا تعلق محض لوازمات حیات ہی سے نہیں مقاصد حیات سے بھی ہے۔ اور لوازمات حیات کا مقاصد حیات کے تابع ہونا چاہیے۔ یہی وہ بنیادی تصور ہے جس سے اسلامی تصور تعلیم کا مزاج بنتا ہے۔

اسلام علم کی دوسری تمام چیزوں پر فوقیت دیتا ہے۔ علم ہی کی بنا پر حضرت آدم کو اشرف المخلوقات کے خطاب سے نوازا گیا۔ قرآن حکیم میں حضرت تالوتؑ کے واقعہ میں صاف اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ سرداری اور راہنمائی کے لیے علم ضروری ہے۔ ان پیغمبر نے فرمایا۔ کہ اول تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے مقابلے میں ان کو منتخب فرمایا ہے

---

[12] پروفیسر میاں منظور احمد، تقابل ادیان ومذاہب، (علمی بک ہاؤس لاہور، )، -

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.4, 2023

اور دوسرے علم اور جسامت میں ان کو زیادتی دی ہے۔[13] اللہ تعالیٰ کے شکر گزار بندے اہل علم ہی ہو سکتے ہیں۔اور علم کی غایت اصلیہ یہ ہے۔کہ انسان اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ بن جائے۔

"ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی تھی کہ اللہ کا شکر گزار ہو"[14]

قرآن کریم کی اس آیت میں ہے کہ "خدا سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں۔"

ابن مسعود وغیرہ نے کہا ہے کہ علم خوف خدا پیدا کرتا ہے۔کثرت روایت کا نہیں۔معلومات کا ذخیرہ جمع کرنا نہیں تو ایسا علم قطعاً عمل کو درست کر دیتا ہے۔یعنی اس سے نیکی پیدا ہوتی ہے۔انسان صالح بن جاتا ہے۔اور اس معنی میں کہا جا سکتا ہے کہ نیکی علم ہے اور علم وہی ہے جو خدا سے ڈرتا ہے۔یعنی عالم وہ ہے جو عرفان حق وخوف خدا رکھنے کی وجہ سے اللہ ہی کے لیے عمل کرتا ہے۔اور عمل کا مقصود خدا کی رضا ورغبت کو قرار دیتا ہے۔اس علم کو زبان سنت میں عام نافع کہا گیا ہے۔اس کی وضاحت کی گئی ہے۔یہ علم ایک نور ہے جو عالم کے حجابات کو رفع کرتا ہے اور اس کو عرفان حق عطا کرتا ہے۔اس علم کی وجہ سے وہ اپنے رب کی طرف راہ یاب ہوتا ہے۔اس کو اپنے اسے قریب بلکہ اقرب پاتا ہے۔اسی کو حاضر وناظر جانتا ہے۔جس کو یہ علم نافع ہوتا ہے اس کو مزید تین چیزیں دی جاتی ہیں۔قلب، فاشع، نفس نافع اور دعا مسموع

چونکہ علم کی غایت عرفان حق ہے۔اس لیے اسلامی نقطہ نظر سے علم کے تین مدارج ہیں۔

علم الیقین: ایسا علم ہے جس میں کسی چیز کے متعلق علم کی حد تک خبر ہو مثلاً آگ ہمیشہ جلاتی ہے۔

عین القین: اسے علم مشاہدہ بھی کہتے ہیں۔مثلاً آگ نے زید کی انگلی جلائی۔

حق الیقین: جو علم تجربے کے بعد حاصل ہو مثلاً آگ نے میری انگلی جلائی۔

اسلام میں حصول علم کے دو بنیادی ذرائع ہیں۔

قرآن کریم ,حدیث مبارکہ

اسلام ایک دین فطرت ہے جو عالمگیر پیغام کا حامل اور داعی ہے۔جس کی تعلیمات اور دعوت ساری انسانیت کے لیے مفید ہے۔اسلام اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے اور اس نے ساری دنیا کے ادیان پر غالب اور برتر کرنے کے لیے بھیجا ہے۔اسلام کی تعلیمات محدود نظام کو چلانے کے لیے نہیں بلکہ نظام زندگی اور لائحہ عمل اسلام میں موجود ہے۔[15]

اسلام اپنے ماننے والوں کو چاہ ضلالت میں گرنے سے بچاتا ہے۔صراط مستقیم پر چلاتا ہے۔خطرناک راستوں سے بچنے کی تلقین کرتا ہے۔وہ انسان کو بتاتا ہے کہ اس کا فائدہ کس میں ہے اور نقصان کس میں ہے؟ وہ مادی اور روحانی اعتبار سے بھی اصلاح کرتا ہے۔سیاسی اور معاشی لحاظ سے مستحکم ہونے کی تدبیریں بھی بتاتا ہے۔وہ اخلاقیات کی تعلیم دیتا ہے اور رذائل سے بچنے کا درس بھی دیتا ہے۔

اسلام انسانیت کو انسانی راہوں پر چلنے کی دعوت دیتا ہے۔انہیں غیر انسانی طریقے استعمال کرنے سے روکتا ہے۔وہ انسان کو حق تعالیٰ کی عبودیت اور بندگی کے مضبوط رشتے سے منسلک کرتا ہے۔احکم الحاکمین کی حاکمیت کا درس دیتا ہے۔اسے معبود برحق ماننے اور اس کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کا حکم دیتا ہے۔انسان کو اپنی مرضیات خالق کائنات کی مرضی کے مطابق اور اپنی منشا وعزائم کا خالق ارض وسما کے احکام کے سامنے چھوڑنے کا حکم دیتا ہے۔

اسلام کسی ایسے مذہب کا نام نہیں، جو صرف روحانیت پر زور دیتا ہو۔نہ ہی اسلام راہبانیت کی تعلیم دیتا ہے۔حدیث نبوی ہے۔

اسلام میں راہبانیت نہیں۔

اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے۔جو انسانی زندگی کے اعتقادی فکری اخلاقی اور عملی تمام پہلوؤں کو پورے طرح گھیرے ہوئے ہے۔اسلام کے پیروکار ایک ایسے معاشرے کے افراد ہوتے ہیں جو باقی ماندہ معاشروں سے سفارتی تعلقات رکھتے ہوئے بھی اپنی علیحدہ اقدار زندگی اور الگ تہذیب کے وارث ہوتے ہیں۔[16]

---

[13] سورۃ البقرۃ: ۲۴۷

[14] سورۃ لقمان: ۱۲

[15] محمود الرشید حدوٹی، مطالعہ مذاہب، (مکتبہ آب حیات لاہور، )۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.4, 2023

بہترین نصاب تعلیم وہ ہوتا ہے۔ جس کی بنیاد لوگوں کے اعتقادات، احساسات، رسم ورواج اور معاشرتی اقدار پر ہو۔ کوئی بھی نظام تعلیم کامیاب نظام تعلیم نہیں کہلا سکتا۔ جب تک وہ معاشرتی تقاضات کے مطابق افراد تیار نہ کرتا ہو۔ اسلام ایک الگ ضابطہ حیات رکھتا ہے۔

اسلام میں تعلیم کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے۔ کہ دین اسلام کی ابتدا اور حضور اکرم ﷺ پر نازل ہونے والی پہلی وحی جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان مبارک ہے۔

اس آیت میں موجود لفظ (اقرا) ہے۔ یہ مذہب بنیادی طور پر تعلیم وترتیب کے ایک نظام کا نام ہے اور اس نظام کے عمارت کی تعمیر میں پہلی اینٹ لفظ اقرا کی ہے۔ گویا اسلام وہ واحد مذہب ہے جس نے تعلیم عامہ اور ہر شخص کے لیے بلا تفریق علم کا تصور پیش کیا۔ جیسا کہ ایک حدیث مبارکہ میں آیا ہے:

''طلب العلم فريضة على كل مسلم''

''علم کی طلب ہر مسلمان پر فرض ہے''

ایک طرف اسلام نے تعلیم کو بنیادی ضرورت قرار دیا تو دوسری طرف اس کو حاصل کرنے کی ذمہ داری فرد اور معاشرے دونوں پر عائد کی ہے، اسلام کا یہ اصول ہے کہ جو چیز سب پر فرض ہو، اس کی فراہمی کی اولین ذمہ داری فرد پر جبکہ آخری ذمہ داری معاشرے اور ریاست پر عائد کرتا ہے۔ اصحاب صفہ میں سے کچھ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے خود ہی تگ ودو کرتے تھے۔ پھر مسلمان اہل ثروت ان کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے دل کھول کر عطیات وظائف دیتے تھے اور محمد ﷺ خود ان کی ضروریات پوری کرتے۔ بلکہ جب تک ان کے کھانے کا بندوبست نہ ہو جاتا، آپ کھانا تناول نہ فرماتے۔ یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں کو پوری تاریخ میں تعلیم ہمیشہ مفت رہی ہے۔[17]

**الف: اسلام دین فطرت**

اللہ تعالیٰ کا ہر انسان سے تقاضا ہے کہ اس کا پسندیدہ فرد قرار پائے، اس لحاظ سے دین اسلام کی تعلیمات کا اگر فطری طور پر جائزہ لیا جائے تو پہلی بات یہ سامنے آتی ہے کہ دینا کے تمام مذاہب میں اسلام ہی واحد دین فطرت ہے کیونکہ انسان عدم اور وجود کی کشمکش میں رہ کر زندگی گزارتا ہے۔ ظلم اور جہل اگر عدم کا نام ہے تو عدل اور علم وجود سے موسوم ہے، اسی طرح ایجاب اگر وجود کا نام ہے تو اس کے مقابل منفی اور سلبی ہونا عدم کہلاتا ہے۔ بچہ کی پیدائش دراصل اس کا عدم سے وجود میں آنا ہے تو وجودی چیز ہی اس کی سرشت کا جزو اور فطرت کا تقاضا بن سکتی ہے، عدم جس کے خانہ کو وہ خالی کر رہا ہے تقاضائے فطرت نہیں بن سکتا۔ اسی طرح اسلام اور کفر میں اسلام وجودی ٹھہرتا ہے اور کفر عدم، کیوں کہ اسلام تمام انبیاء کو ماننے کا نام ہے اور کفر انکار کا نام ہے لہٰذا ان میں جو وجودی ہو گا وہ تقاضائے فطرت ہو گا، سلب اور نفی تقاضائے فطرت نہیں ہو سکتا، اسی لیے قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فِطْرَةَاللهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا

اللہ تعالیٰ کی وہ فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔[18]

نبی کریم ﷺ کے ارشاد کا بھی یہی مطلب ہے:

عن ابی ھریرۃ قال: قال رسول اللہ ﷺ

ما من مولود الا يولد على الفطرة فابواه يهودانه وينصرانه ويمجسانه

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمام بچے فطرت پر پیدا ہوتے ہیں، پھر ان کے والدین ان کو یہودی، عیسائی یا مجوسی بناتے ہیں۔[19]

---

16 ایس۔ایم شاھد، فلسفہ وتاریخ تعلیم، ۔

17 پروفیسر قاری محمد اقبال، مقالات اسلامیہ، فیصل آباد (انجمن نوجوانان اسلام، رجسٹرڈ، ۲۰۰۵ء) ص: ۱۴۰

18 سورۃ روم: ۳۰

19 مسلم: ابن حجاج، الامام، کتاب القدر، باب کل مولود یولد علی الفطرۃ، حدیث نمبر: ۲۶۵۸م دار الغد الجدید، قاہرہ، ۲۰۰۷ء، ص: ۹۴۶

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.4, 2023

اسلامی تعلیم و تربیت کا مقصد یہ ہے کہ اسی شخصیت(perfect man)ابھر کر سامنے آئے جو معتدل اور متوازن(moderate)ہو،اسی طرح اسلام میں تعلیم و تربیت کا مقصد طبائع انسانیہ میں ایسا اعتدال پیدا کرنا ہے جو نبی کریم ﷺ کی فکر و عمل اور اخلاق میں موجود تھا۔انسانی اعمال وافعال دراصل اخلاق کی فرع ہوتے ہیں یعنی اعمال اخلاق سے پیدا ہوتے ہیں اور اعتدال کا محل اخلاق ہیں،جب کہ اخلاق تین قوتوں سے پیدا ہوتے ہیں:

الف)قوت عقلیہ،ب)قوت شہویہ ج)قوت غضبیہ

جن کا حاصل یہ ہے کہ اپنے نفع کے حصول اور ضرر کے دفع کے لیے خواہ وہ دنیوی ہوں یا اخروی،دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے،ایک وہ وقت کہ جس سے انسان اپنی منفعت و مضرت کو سمجھے،وہ وقت مدرکہ عقلیہ ہے۔دوسری بات یہ ہے کہ منفعت کو سمجھ کر اس کو حاصل کرے،یہ قوت شہویہ کے ذریعے ہوگا،اسی طرح انسان ضرر کر دیکھ کر اس کو دفع قوت غضبیہ کے ذریعے کرے گا۔ان تین قوتوں سے مختلف اعمال صادر ہوتے ہیں اور ان اعمال کے مختلف درجے ہیں:

اسلامی نظریہ تعلیم کے مطابق سب سے زیادہ اہمیت طالب علم کے کردار کی تشکیل کو حاصل ہے۔تعلیم جب تک اچھا کردار تعمیر نہ کرے،اپنا حقیقی مقصد حاصل نہ کر پائے گی۔نبی کریم ﷺ کے بنیادی مشن میں تزکیہ نفس یعنی انسانی زندگی اور روح کی تطہیر شامل تھی اور اسے اولیت حاصل تھی[20]،ارشاد ربانی ہے

كَمَا اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ

"جیسا کہ ہم نے تم میں ایک رسول تم ہی میں سے بھیجا جو تم پر ہماری آیتیں پڑھتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں کتاب اور دانائی سکھاتا ہے اور تمہیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔"[21]

امام غزالی کے نزدیک تعلیم کا مقصد یہ نہیں ہونا چاہیے کہ صرف علم کی تشنگی دور ہو بلکہ طلبہ کے اخلاق کردار اور اجتماعی زندگی کے اوصاف کو بھی بہتر بنانا ہے۔اس حوالے سے مولانا صدرالدین اصلاحی لکھتے ہیں:

> "اسلام ایک طرف فرد کی انفرادیت کی تکمیل کرتا ہے تو دوسری طرف اسے معاشرے کا ایک صالح اور مفید رکن دیکھنا چاہتا ہے جو اپنی صلاحیتوں سے کام لے کر اپنے ماحول کو حسین تر اور صالح تر بنا سکے۔اس طرح اسلامی تعلیم کا مقصد انفرادیت اور اجتماعیت میں بہترین توازن پیدا کرنا ہے۔"[22]

انسان کو معقول معاش کے قابل بنانا،اس کی تمام صلاحیتوں،معاش،رویے،امتیازات میں توازن اور بالیدگی و نشوونما کے ساتھ اللہ کا اطاعت گزار بندہ بنانا ہے۔علوم دینی و صفی،عمرانی،طبعی،فنی اور حرفتی کی تربیت دینا تاکہ وہ رزق حلال کمانے کے قابل ہو سکیں۔

اسلامی ریاست چلانے کے لیے افراد تیار کرنا اور استحکام معاشرہ کے لیے معیار اخلاق بلند کرنا۔[23]

ابو عمار زاہد الراشدی کے نزدیک اسلامی نظام تعلیم کا بنیادی محور یہ ہے کہ:

نئی نسل کو اللہ تعالیٰ کے احکامات قرآن مجید کی صورت میں پہنچائیں جائیں۔قرآن کا معنی و مفہوم اور مقاصد نبی کریم ﷺ کی وحی الٰہی کی روشنی میں سمجھائے جائیں۔نئی پود کے افراد کو "حکمت و سنت" یعنی زندگی گزارنے کے نبوی اسلوب سے آگاہ کیا جائے جس میں بول چال سے لے کر تجارت،زراعت،دیگر ذرائع معیشت اور مختلف علوم و فنون میں مہارت سمیت زندگی کے تمام مسائل شامل ہیں۔[24]

---

[20] خورشید احمد،پروفیسر،اسلامی نظریہ حیات(شعبہ تصنیف وتالیف وترجمہ کراچی یونیورسٹی،کراچی،۱۹۶۸ء)،ص:۲۷

[21] سورۃ البقرۃ:۲: ۱۵۱

[22] صدرالدین اصلاحی،مولانا،اسلام ایک نظر میں(اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ،لاہور،۱۹۹۰)،ص:۵۱

[23] خورشید احمد،پروفیسر،اسلام کا نظریہ تعلیم(اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ،لاہور،۱۹۸۰ء)ص:۴۲۹

[24] ابو عمار زاہد الراشدی،اسلامی نظام تعلیم کے بنیادی خدوخال،عزم نو،جنوری تا جون ۱۹۷۹،ص:۵۹۶

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.4, 2023

محمد مصلح الدین کے نزدیک اسلامی نقطہ نظر سے تعلیم کا مقصد دین کو سمجھنا اور اس میں بصیرت حاصل کر کے اس کے مزاج اور روح سے آشنا ہوتا ہے۔ اسلام کے تعلیمی نظام میں مقصود نہ دولت دنیا ہے، نہ علمی تفاخر، نہ شہرت و مباہات۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے جن مقاصد محمودہ کی ترغیب دلائی، وہ یہ تھے: خدا کی ناراضی کا ڈر (خشیت الٰہی)، فرائض دینی کا علم اور ان کی ادائیگی کا اہتمام، تزکیہ نفس یا تعمیر کردار، دنیا سے بے نیازی اور اللہ تعالیٰ کے دین کا احیاء و غلبہ۔[25]

**تعلیم اور تربیت کا آپس میں ربط:**

اسلام نے علم کا جو تصور دیا ہے اس میں تعلیم اور تربیت دونوں کو یکساں اہمیت دی گئی ہے کہ ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے نظام تعلیم میں تعلیم اور سیرت سازی ایک ہی حقیقت کے دو پہلو رہے ہیں اور اس کا اظہار علم و فضل کی اصطلاح سے بھی ہوتا ہے جو علم، نیکی اور اخلاق حسنہ میں بڑھے ہوئے ہونے کا مفہوم کو ادا کرتی ہے۔

تعلیم صرف تدریس عام ہی کا نام نہیں ہے۔ یہ ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعے ایک قوم خود آگہی حاصل کرتی ہے۔ اور یہ عمل اس قوم کی تشکیل دینے والے افراد کے احساس و شعور کو نکھارنے کا ذریعہ ہوتا ہے۔ یہ نئی نسل کی وہ تعلیم و تربیت ہے جو اسے زندگی گزارنے کا طریقوں کا شعور دیتی ہے اور اس میں زندگی کے مقاصد و فرائض کا احساس پیدا کرتی ہے۔ تعلیم ہی سے ایک قوم اپنے ثقافتی اور ذہنی ورثے کو آئندہ نسلوں تک پہنچاتی ہے۔ تعلیم ایک ذہنی، جسمانی اور اخلاقی تربیت ہے اور اس کا مقصد اونچے درجے کے ایسے تہذیب یافتہ مرد اور عورتیں پیدا کرنا ہے۔ جو اچھے انسانوں اور کسی ریاست کے ذمہ داشہریوں کا حیثیت سے اپنے فرائض کو انجام دینے کے اہل ہوں۔ ہر دور کے ممتاز ماہرین تعلیم کے نظریات کا مطالعہ اسی تصور تعلیم کا پتہ دیتا ہے۔

تعلیم کی جتنی ضرورت و اہمیت ہے اس سے کہی زیادہ تربیت کی ہے، اور پھر دونوں کے درمیان گہرا ربط اور تعلق بھی لازمی ہے محض دینی یا صرف دنیاوی تعلیم اپنی جگہ کافی نہیں، اور نہ انہیں علیحدہ رکھ کر بہتر نتائج کی توقع کی جا سکتی ہے۔ تعلیم کا بنیادی مقصد تو یہی ہے کہ وہ انسان کی قلب ماہیت اور روحانی اصلاح کر کے اس کے اندر حفظ خودی کی خوبیاں پیدا کر دے۔ اسے توحید، علم، عشق، بلند ہمتی، امن و سلامتی، پاک دامنی، فقر، رواداری اور قناعت جیسی صفات سے اراستہ کر کے ایک مثالی انسان بنا دے، اسی کا دوسرا نام ہے تربیت۔[26]

علم سے مراد ذات باری تعالیٰ، ذات انسانی اور کائنات کا شعور حاصل کرنا ہے پھر اس شعور کے مطابق معاشرے کی انفرادی اور اجتماعی اصلاح و تہذیب کا نام تعلیم ہے تاکہ انسان حقیقی معنوں میں اشرف المخلوقات ثابت ہو سکے۔ اس طرح تعلیم حیات کے تمام پہلوؤں کو روشن کرنے کا نام ہے۔ اسی کا نام تربیت بھی ہے۔ زیادہ وضاحت کے ساتھ ہم کہہ سکتے ہیں کہ علم کو عمل میں لانے کا نام تعلیم ہے اور زیور اخلاقیات سے آراستہ ہونے کا نام تربیت ہے۔ اسلام نے بھی علم کا جو تصور دیا ہے اس میں علم اور تربیت دونوں یکساں اہمیت دی گئی ہے اور ان کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ تعلیم کتاب و حکمت اور تزکیہ نفس دونوں کو ساتھ ساتھ انجام دینا ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے نظام تعلیم میں تعلیم اور سیرت سازی ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں۔[27]

تعلیم کی عمارت کا ستون تربیت ہے تعلیم تربیت کے بغیر محض الفاظ کا گورکھ دھندہ ہے تربیت عقل میں پختگی اور سیرت میں طہارت پیدا کرتی ہے۔

احمد فواد اہوائی: ''تعلیم سوائے علم کو آگے پھیلانے کے اور کچھ نہیں ہے اس سے عقل صیقل ہوتی ہے اور نفس پاکیزہ ہوتا ہے۔''[28]

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((ادبنی ربی فاحسن تادیبی)) ترجمہ: میرے رب نے میری تربیت کی اور بہت اچھی تربیت کی۔[29]

علم کو عمل میں لانے کا نام تعلیم ہے اور زیور اخلاقیت سے آراستہ ہونے کا نام تربیت ہے۔

---

25 محمد مصلح الدین، اسلامی تعلیم اور اس کی سرگزشت (اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۸۸ء) ص: ۱۶

26 القلم، اپریل ۲۰۱۷، تعلیم و تربیت باہمی ربط اسوہ حسنہ کی روشنی میں، ص ۱۱۹

27 پاکستان میں نظام تعلیم کی اسلامی تشکیل کی حکمت عملی، متین الرحمان مرتضیٰ، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز اسلام آباد، ۱۹۹۲ء، ص: ۸۱، ۸۲

28 التربیۃ فی الاسلام، مقدمہ، عیسی البابی، مصر، ۱۹۵۵ء

29 علامۃ محمد عبدالرؤف، فیض القدیر شرح الجامع الصغیر، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۹۹۴، ص: ۱/ ۲۱۹

JAHAN E TAHQEEQ
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.4, 2023

اقبال: تعلیم کے تمام عناصر میں اصل روح ''تربیت'' کو ٹھہراتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک تعلیم وتربیت کے باہم امتزاج سے ہی متوازن اور صحت مند نظام تعلیم تشکیل پاتا ہے۔[30]

مسلمانوں کے نظام حیات میں علم اور تربیت کا چولی دامن کا ساتھ رہا ہے اور یہ بھی نبی کریم ﷺ کے تتبع میں تھا کہ آپ ﷺ جہاں کتاب وحکمت کی ذمہ داریاں ادا فرماتے تھے وہاں تزکیہ نفس کی تربیت بھی فرماتے تھے۔[31]

تعلیم معاشرتی زندگی کی مسلسل تجدید کا نام ہے اور تربیت کے ذریعے زندگی میں حسن پیدا ہوتا ہے۔ دراصل تعلیم وتربیت اس عمل کا نام ہے جس کے ذریعے طلبہ کو ایک مخصوص قسم کی معاشرتی زندگی کی لذت سے آشنا کر کے انہیں زندگی کا سرگرم محافظ بنایا جاتا ہے۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ تعلیم وتربیت ایک طرف تو قوم کی صدیوں کی ذہنی اور روحانی کمائی کا آئندہ نسل کی طرف منتقل کر کے اسے تباہی سے بچاتی ہے۔ اور دوسری طرف اس نسل میں یہ قابلیت اور صلاحیت پیدا کرتی ہے کہ وہ بزرگوں کے عطا کردہ ثقافتی ذخیرہ میں خود اپنی جدوجہد سے خاطر خواہ اضافہ کرے۔ اس کے برعکس جو لوگ محض لکھنے پڑھنے اور گننے اور گردن جھکائے پھرنے کی مہارتیں حاصل کرنے کو تعلیم و تربیت سمجھتے ہیں وہ غلط ہیں۔[32]

## قرآن مجید کی رو سے تعلیم کا معانی:۔

قرآن پاک کی تعلیمات فطرت انسانی کو مد نظر رکھ کر حقیقتاً عقل، وجدان اور شعور کی تربیت کا ساماں پیدا کرتی ہیں۔ قرآن پاک قلب انسان کا اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کر کے اس میں طہارت و تقویٰ اس حد تک پیدا کر دیتا ہے کہ اس کا ہر شعوری ولاشعوری عمل صاف اور پاکیزہ ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید کا یہ معجزہ ہے کہ ایک طرف اس کی تلاوت اگر انسان کو سرور اور روحانی خوشی دیتی ہے تو دوسری طرف وہ اس کے شعور کو تازگی اور فکر کو جلا بخشتی ہے۔

دین اسلام کے بارے میں اگر کہا جائے کہ تعلیم وتربیت اس کے بنیادی امور میں سر فہرست ہے، تو کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔ حضرت ابراہیمؑ نے جو دعا آپ ﷺ کی بعثت کے لیے مانگی تھی اسی میں بھی تعلیم وتربیت کا پہلے ذکر فرمایا۔ قرآن مجید مین تزکیہ اور تعلیم کو نبی کریم ﷺ کی بعثت میں شامل امور میں سے سر فہرست قرار دیا گیا ہے، فرمایا:

هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِىْ الْاُمِّيِّيْنَ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ وَيُزَكِّيْهِمْ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَۃَ۔

وہی تو ہے جس نے ان پڑھوں میں انہی میں سے (محمد ﷺ) کو پیغمبر (بنا کر) بھیجا جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔[33]

یعنی بعثت نبی کریم ﷺ لوگوں کو تزکیہ (روحانی تربیت) اور تعلیم وحکمت کے لیے ہے، یعنی جب انسان اپنا تزکیہ شروع کرے گا تو اسے حقیقی علم اور حکمت حاصل ہو گی، جو سراسر نور اور ہدایت ہے۔ تمام تر انسانیت کے لے یہی انبیاءؑ کی بعثت کا ہدف ہے کہ انسانیت اپنے معبود کا قرب (تزکیہ اور تربیت) اختیار کرے اور یہ قرب صرف واجبات عبادت کے ذریعے ہی نہیں، بلکہ انسانیت کی ہر خدمت کے ہمراہ حاصل ہو سکتا ہے۔ لہٰذا تعلیم دراصل تربیت (تزکیہ) ہی ہے۔ لہٰذا تعلیم وتربیت کے تمام قواعد، قوانین اور معیار اس کے تشریعی ادارے کے تحت انسان کے لیے تربیت وتزکیہ کے ساتھ اس کی طرف پلٹنے کے لیے ہیں۔

حضور اکرم ﷺ پر جو پہلی وحی نازل ہوئی وہ علم کے مقام اور تعلیم وتعلم کی اہمیت پر روشنی ڈالتی ہے، فرمایا:

''اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ‌ۚ‏ ١ (خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ‌ۚ‏) ٢ (اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُۙ‏)
(الَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِۙ‏) ٣ (عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْؕ''

پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ انسان کو خون سے پیدا کیا۔ پڑھ اور تیرا رب کریم ہے، وہ جس نے قلم سے تعلیم دی۔ انسان کو ان چیزوں کی تعلیم دی جن کو وہ نہیں جانتا تھا۔[34]

---

30 تعلیم وتدریس، ص: ۲۹۱

31 اسلام کا نظام تعلیم، ص: ۲۱

32 ڈاکٹر محمد اکرام، تعلیم وتربیت اور والدین، بک وائز، لاہور، ۱۹۸۸، ص: ۳۵، ۳۶

33 سورۃ البقرۃ: ۲/۱۲۹ و ۱۵۱، آل عمران: ۳/۱۶۴

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.4, 2023

اس آیت میں پہلا لفظ تعلیم کی اہمیت اور باقی آیات تربیت پر دلالت کرتی ہے۔ سید الکونین ﷺ پر وحی کا آغاز علم کے تذکرے سے ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی پہلی صفت خلق اور دوسری صفت عطائے علم بیان فرمائی ہے۔ مزید یہ کہ حامل وحی، رسول آخر الزمان ﷺ کو حکم دیا کہ وہ یہ دعا فرماتے رہا کریں:

وَقُلْ رَبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا

اور آپ یہ دعا مانگیں کہ اے میرے رب میرے علم میں اضافہ فرما۔[35]

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسلام عقلی اور علمی دعوت ہے۔ اس کا ابتدا اور انتہا علم ہے۔ اپنی اولاد کے لیے ایسی تعلیم و تربیت کا بندوبست کیا جائے جو اسے حقیقی کامیابی سے ہم کنار کرنے والی ہو۔ والدین کو چاہیے کہ وہ سب سے پہلے اپنی اولاد کے لیے اس بات کی فکر کریں کہ وہ جہنم کی آگ سے خلاصی پا جائیں۔ کیوں کہ جہنم ایسا برا ٹھکانا ہے جس کا یندھن انسان ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

''اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ''۔[36]

**فلاح انسانیت کے لیے تعلیم کے ساتھ تربیت بھی ضروری**

تعلیم کا کام در حقیقت سیدھا اور صحیح راستہ دکھلانا ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ محض راستہ جان لینا تو کافی نہیں جب تک ہمت کر کے قدم نہ اٹھائے اور رستہ نہ چلے اور ہمت کا نسخہ بجز اہل ہمت کی صحبت اور اطاعت کے اور کچھ نہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے مکی اور مدنی ادوار میں تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت کا اہتمام فرمایا۔ تعلیمی مراکز بلاشبہ تربیت گاہیں تھی۔ ایک دفعہ جو دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتا تو وہ پھر اس کمال تربیت کے نتیجے میں عزم و ہمت اور ثبات و استقامت کا پہاڑ بن جاتا۔ اسی لیے تربیت کرتے وقت آپ ﷺ سہولت اور نرمی کو پیش نظر رکھتے۔[37]

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی رحمت کے باعث آپ ان پر نرم دل ہیں اور اگر آپ بدزبان اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے چھٹ جاتے، سو آپ ان سے در گزر کریں اور ان کے لیے استغفار کریں:[38]

نبی کریم ﷺ نے تربیت کے حوالے سے نرمی اور سہولت و خوش دلی کی تاکید فرمائی۔ ارشار نبوی ہے:

يسرو ولا تعسروا بشرو ا ولا تنفروا

ترجمہ: آپ ﷺ نے فرمایا، آسانی کرو اور سختی نہ کرو اور خوشخبری دو اور نفرت نہ دلاؤ۔[39]

نبی کریم ﷺ کو جب بھی دو کاموں میں اختیار ہوتا تو آپ ﷺ ہمیشہ آسان کام کو اختیار فرماتے جیسا کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

((ما خير بين امرين الا اخذ ايسر هما ما لم يكن اثما))

ترجمہ: آپ ﷺ کو دو کاموں کے مابین جب بھی اختیار دیا گیا آپ ﷺ نے ان دونوں میں سے جو سب سے آسان تھا اسے اختیار کیا جب تک وہ گناہ والا کام نہ ہو۔[40]

اسلام کے نظام تربیت کا مقصد صالح انسان تیار کرنا ہے وہ انسان جو مکمل انسان ہو، جس میں انسانیت کے سارے پنہاں جواہر نمایاں ہو گئے ہوں۔

---

34 سورۃ العلق: ۹۶/ ۱تا۵

35 سورۃ طہٰ: ۱۱۴/۲۰

36 سورۃ التحریم: ۶/۶۶

37 تعلیم و تربیت قرآن و حدیث کی روشنی میں، ص: ۴۱

38 سورۃ آل عمران: ۱۵۹

39 صحیح بخاری، امام بخاری، کتاب العلم، باب ما کان النبی ﷺ یتخولھم بالموعظۃ والعلم۔ حدیث: ۶۹

40 ایضاً، کتاب المناقب، باب صفۃ النبی ﷺ، حدیث: ۳۳، ۶۷

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.4, 2023

شریعت میں تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت پر بھی بڑا زور دیا گیا ہے۔ فرائض نبوت میں جہاں کتاب و حکمت کی تعلیم ہے وہاں نفوس کا تزکیہ و تصفیہ بھی شامل ہے۔ اخلاق اور اوصاف حسنہ سے عاری صاحب علم اس چوپائے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا جس پر کتابوں کا ڈھیر لاد دیا جائے۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ اخلاقی تربیت بھی نہایت ضروری ہے۔ تربیت ہی انسان کو عالی ہمتی، بلند حوصلگی اور شرافت و اخلاق کا لباس فاخرہ عطا کرتی ہے۔[41]

اسی طرح جس علم سے انسان، انسان نہ بنے تو ایسی تعلیم سے جہالت ہی بھلی ہے[42]۔ اسلیے تزکیہ کو آپ ﷺ کا جداگانہ فرض قرار دے کر اس کی طرف اشارہ کر دیا گیا، کہ جس طرح محض الفاظ کے سمجھنے سے کوئی فن حاصل نہیں ہوتا۔ اس طرح نظری و علمی طور پر فن حاصل ہو جانے سے اس کا استعمال اور کمال حاصل نہیں ہوتا جب تک کسی مربی کے زیر تربیت اس کی مشق کر کے عادت نہ ڈالے۔[43]

نبی کریم ﷺ نے تزکیہ نفس کو اپنے انداز تربیت میں بڑی اہمیت دی ہے اور اس پر خصوصی توجہ فرمائی ہے کیونکہ انسانی نفس کا تربیتی امور میں بہت بڑی طاقت اور وجودی حقائق سے گہرا تعلق ہے۔[44] لہٰذا نفس انسانی کا ایسا تزکیہ تعلیم کا مقصد قرار پائے گا جو انسان کا اس دنیا میں اس کی اصل حقیقت سے اس طور پر آگاہ کرے کہ وہ خالق سے بغاوت نہ کرے بلکہ اس کی ہدایت کا دل جمعی سے اتباع کرے۔[45]

**تعلیم اُسوہ حسنہ کے تناظر میں:۔**

سید الکونین ﷺ نے عرب میں صرف وہ طریقہ تعلیم ہی جاری نہیں فرمایا جس سے قبل اسلام اہل عرب بے بہرہ تھے، بلکہ انہیں تہذیب و تمدن کے اعلیٰ علیین تک پہنچا دیا۔ قرآن حکیم بذات خود علم و تربیت کی اعلیٰ اقدار کا شاہد و ناطق ہے۔ عرب باوجود یہ کہ خود رسول کریم ﷺ بھی پڑھنا لکھنا نہ جانتے تھے۔ لیکن وحی کے اولین خطاب میں جو بات انہیں سب سے پہلے ارشاد فرمائی گئی، وہ یہ تھی کہ پڑھیے۔ اس کے بعد موقع بموقع حصول علم کے ذرائع و مقاصد کی سیر حاصل تشریح ہوتی رہی۔ سردار دو عالم ﷺ نے اپنے تلامذہ اور صحابہ کرامؓ کی ایسی حکیمانہ انداز سے تعلیم و تربیت فرمائی کہ ان میں سے ہر کوئی مربی و معلم بن گیا۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، ایک اللہ کی کتاب اور دوسری اپنی سنت، اگر ان کو تھامے رہو گے تو گمراہ نہیں ہو گے۔[46]

تعلیم و تربیت کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے آپ ﷺ نے صرف یہ نہیں فرمایا، کہ مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے بلکہ تعلیم و تربیت کی اہمیت کو واضح کرنے کے لیے دعا بھی مانگی، فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ عِلْمًا نَافِعًا

"یا اللہ میں تجھ سے فائدہ دینے والے علم کا سوال کرتا ہوں"۔[47]

حصول علم تعلیم اور نافع علم تربیت کی ترغیب ہے۔ اس حوالے سے علم نافع اور غیر نافع کو جانچنا پڑے گا۔ تحصیل علم کے بارے میں نبی کریم ﷺ کے ترغیبی ارشاد تو تاکیدی احکام نے اہل اسلام کو ہمہ تن علم کی جانب متوجہ کر دیا۔[48]

---

41 حافظ محمد سعد اللہ، منہاج، عورت کی تعلیم و تربیت، لاہور، اکتوبر، ۱۹۸۴، شمارہ: ۴، ص: ۲/۱۵۳

42 حافظ محمد سعد اللہ، منہاج، عورت کی تعلیم و تربیت"، لاہور، اکتوبر، ۱۹۸۴، شمارہ: ۴ص: ۲/۱۵۳

43 تعلیم و تربیت قرآن و حدیث کی روشنی میں، ص: ۴۰

44 محمد قطب ابراہیم، منہج التربیۃ الاسلامیہ، مطبوعہ دار الشروق، جلد: ۱، ص: ۴۱

45 اسلامی ریاست میں نظام تعلیم، ص: ۳۹

46 امام مالک، موطا امام مالک، ص: ۲/ ۷۰ مؤسس الرسالۃ، بیروت، ۱۴۱۲ھ

47 طبرانی، المعجم الاوسط، ص ۷/۱۵۳، دار الحرمین، قاہرہ، س۔ن

48 القلم، اپریل ۲۰۱۷، تعلیم و تربیت، باہمی ربط اسوۃ حسنہ کی روشنی میں

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.4, 2023

ایک مکمل انسان بننے کے لیے نظریہ یا علم کے علاوہ کچھ اور چیزوں کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔اسلام جہاں انسان کی روحانی زندگی کے لیے ایک لائحہ عمل مرتب کرتا ہے وہاں اس کی جسمانی زندگی یا معاشرتی زندگی کے لیے بھی راہ ہموار کرتا ہے تاکہ ایک مسلمان جسمانی اور روحانی دونوں پہلوؤں سے ایک مکمل شخصیت کا روپ دھار سکے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے طالب علموں کا تزکیہ کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی جسمانی اور معاشرتی دلچسپی کا بھی خیال رکھا اور نظریاتی نصاب کے ساتھ غیر نصابی سرگرمیوں میں بھی حصہ لینے لیے اپنے اصحاب کو ترغیب دی۔

**ا۔شکار:** شکار عربوں کی قدیم روایت تھی۔حضرت حمزہ عہد جاہلیت میں سب سے مشہور شکاری تھے۔ارشاد ربانی ہے۔

''اجل لكم صيد البحر و طعامه متاعا لكم وللسيارة''

تمہارے لیے سمندر کا شکار اور اس کے کھانے کی اشیا حلال قرار دی گئی ہی۔یہ تمہارے لیے اور مسافروں کے لیے سامان حیات ہے۔[49]

صحابہ کرامؓ شکار مختلف طریقوں سے کرتے تھے۔رسول اللہ ﷺ نے شکار کے متعلق کئی ہدایات دی ہیں۔

الف)سدھائے ہوئے کتوں سے شکار: حضرت عدی بن حاتم نے رسول اللہ ﷺ سے سدھائے ہوئے کتوں سے شکار کرنے کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا

اذ ارسلت كلابك المعلمة وذكرت اسم الله عليها فكل ما امسكن عليك وان قتلن الا ان ياكل الكلب ، فان اكل الكلب فلا تاكلفاتی اخاف ان يكون انما امسك على نفسه وان خلطها كلاب اخر فلا تاكل

جب تم سدھائے ہوئے کتوں کو چھوڑو تو خدا کا نام لے کر چھوڑو۔اگر کتا تمہارے لیے شکار پکڑے رکھے تو تم اسے کھالو،اگر کتا شکار کو کھا لے تو اسے مت کھاؤ کیونکہ ہو سکتا ہے اس نے شکار اپنے لیے پکڑا ہو۔اگر اس شکار میں کوئی دوسرا کتا بھی شریک ہو جائے تو اسے بھی مت کھاؤ۔[50]

ب)بازسے شکار: سدھائے ہوئے بازسے بھی صحابہ شکار کرتے تھے۔ایک صحابی نے رسول اللہ ﷺ سے بازسے شکار کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''فكل مما امسك عليك''

جو تیرے لیے پکڑے رکھے اسے کھالو۔[51]

ج)تیر سے شکار: صحابہ کرامؓ تیر سے بھی شکار کرتے تھے۔رسول اللہ ﷺ نے عدی بن حاتم سے فرمایا

((اذا رميت بسهمك فاذكر اسم الله فان وجدته قد قتل فكل الا ان تجده قد وقع فی ماء فلا تاكل فانك لا تدری الماء قتله او سمهك))

جب تم اپنا تیر پھینکو تو اس پر اللہ کا نام لیا کرو۔اگر تم دیکھو کہ تیر کی وجہ سے شکار مر گیا ہے تو اسے کھالو۔البتہ اگر وہ پانی میں گر جائے تو مت کھاؤ کیونکہ تم نہیں جانتے کہ وہ پانی کی وجہ سے مرا ہے یا تمہارے تیر کی وجہ سے۔[52]

د)معراض سے شکار: صحابہ کرامؓ ''معراض'' سے بھی شکار کرتے تھے۔معراض ایسی لکڑی ہوتی تھی جس کا آخری سرا بہت تیز ہوتا تھا یا اس کے آخری سرے پر تیز دھار لوہا لگا ہوا تھا۔حضرت عدی فرماتے ہیں ''میں نے رسول اللہ ﷺ سے معراض کے بارے میں پوچھا'' تو انہوں نے فرمایا:

((اذا اصاب بحده فكل واذا اصاب بعرضه فقتل فانه وقيذ فلا تاكل))

جب تیر امعراض شکار کو سیدھا اپنی نوک سے لگے تو شکار کو کھالے اور جب وہ اپنے عرض یا چوڑائی سے لگے اور مر جائے تو اسے نہ کھا۔[53]

---

[49] سورۃ المائدہ:۹۶/۵

[50] ابن ماجہ،السنن،ص:۴۶۶،حدیث نمبر ۳۲۰۸

[51] ابوداؤد،السجستانی،سلیمان بن الاشعث،السنن،(دار السلام الریاض،الطبعۃ الاولی،۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء ص:۴۱۴،حدیث نمبر:۲۸۵۱)

[52] ترمذی،السنن،ص:۳۵۷،حدیث نمبر ۱۴۶۹

[53] دارمی،السنن(شرکۃ الطباعۃ الفنسیۃ المتحدہ مدینہ منورہ،الحجاز)ص:۱۸/۲،حدیث نمبر ۲۰۱۵

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.4, 2023

**۲۔ تیراندازی:** ہم نصابی سرگرمیوں میں دوسرا اہم مشغلہ تیراندازی تھا۔ یہ بھی عربوں کا قدیم ثقافتی ورثہ تھا۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ جہاد میں ہوتا تھا۔ یہ مشغلہ کے علاوہ فریضہ جہاد کے لیے ہمہ وقت تیاری تھا۔ ارشاد ربانی ہے:

(واعدو لهم ما استطعتم من قوة)

تم دشمن کے خلاف حسب استطاعت اپنی طاقت تیار رکھو۔[54]

ابن حجر اس کی تشریح میں فرماتے ہیں، یہاں قوۃ سے مراد تیراندازی ہے۔ عقبہ بن عامر فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر یہ آیت تلاوت کی اور تین بار فرمایا: "قوۃ" سے مراد تیراندازی ہے۔

ایک اور روایت میں صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں: ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز مغرب پڑھتے تھے پھر واپس جاتے وقت تیراندازی کی مشق کرتے جاتے تھے۔ حتی کہ ہم اپنے اپنے گھروں میں پہنچ جاتے تھے۔ اتنے اندھیرے میں بھی ہمارے تیروں کا نشانہ صحیح بیٹھتا تھا۔ صحابہ کرامؓ میں حضرت سعد بن ابی وقاص تیر بناتے اور تیز کرنے کا کاروبار کیا کرتے تھے۔[55]

**۳۔ تیراکی:** یہ فن بھی عربوں کے ہاں زمانہ قدیم سے چلا آرہا تھا۔ عربوں میں جو آدمی تیراندازی، تیراکی اور کتابت میں ماہر ہوتا تھا اسے "الکامل" کہا جاتا تھا۔ تیراکی نہ صرف سیلاب اور طغیانی سے جان بچانے کا سب سے اہم فن ہے بلکہ ایک موثر جسمانی ورزش بھی ہے۔ ام سلمہ کے غلام احمد لوگوں کو نہر پار کراتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو فرمایا تم تو "سفینہ" ہو (یعنی کشتی کا کام کرتے ہو) لہٰذا وہ سفینہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ اس کے علاوہ عبداللہ بن الزبیر بہت بڑے ماہر تیراک تھے۔ جن دنوں بیت اللہ سیلاب کی زد میں آیا تھا تو انہوں نے ایام حج میں تیر کر کعبہ کا طواف کیا تھا۔[56]

**۴۔ شمشیرزنی:** تیراندازی کے ساتھ ساتھ تلوار زنی بھی ایک مشغلہ تھا۔ عرب قوم تو دنیا کی بڑی جنگجو قوم تھی اور اس وقت جنگ کا سب سے بڑا ہتھیار تلوار تھا۔ فن حرب کا یہ سب سے بڑا فن تھا اور عربوں کی عسکری روایات کا سب سے بڑا امین، تمام صحابہ کرامؓ بلا کم و کاست شمشیر زن تھے۔ مشہور صحابی حضرت خباب بن الارت تلواریں بنانے کا کام کیا کرتے تھے۔[57]

**۵۔ جسمانی دوڑ:** دوڑنا صحت کے لیے نہایت ضروری ورزش ہے۔ اسے اطبائے قدیم سے لے کر جدید اطباء تک سبھی نے تسلیم کیا ہے۔ اس سے تھکاوٹ کا خاتمہ ہوتا ہے۔ انسانی خون تیزی سے گردش کرتا ہوا تمام جسم تک پہنچتا ہے جس سے خون کی نالیاں صاف رہتی ہیں۔ جسم سے فاسد مادوں کے نکاس کے لیے دوڑ سے زیادہ موثر اور کوئی مشغلہ نہیں ہے۔

قرآن پاک کی رو سے دوڑ بھی زمانہ قدیم سے ایک ورزش کے طور پر لگائی جاتی رہی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

(انا ذهبنا نستبق وتركنا يوسف عند متاعنا)

(حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے کہا اے ابا جان ہم دوڑ لگانے چلے گئے اور یوسفؑ کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ گئے۔)[58]

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں۔

خرجت مع النبي - صلى الله عليه وسلم - في بعض أسفاره، وأنا جارية لم أحمل اللحم، فقال للناس :تقدموا، ثم قال لي :تعالي حتى أسابقك، فسابقته فسبقته، فسكت عني، حتى إذا حملت اللحم وبدنت ونسيت، وخرجت معه في بعض أسفاره فقال للناس :تقدموا، ثم قال لي :تعالي حتى أسابقك فسابقته فسبقني، فجعل يضحك وهو يقول :هذه بتلك

---

[54] سورۃ الانفال: ۶۰/۸

[55] احمد، المسند، ۲۶/۴، مولانا معظم الحق، دور نبوی کا نظام حکومت، ص: ۳۹۸

[56] مولانا معظم الحق، دور نبوی کا نظام حکومت، ص: ۲۷۱

[57] ایضاً، ص ۳۰۵

[58] سورۃ یوسف: ۱۷/۱۲

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.4, 2023

میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں نکلی میں نازک لڑکی تھی میرے جسم پر گوشت نہیں چڑھا ہوا اور نہ میرا بدن موٹا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے کہا: تم لوگ آگے چلے جاؤ۔ چنانچہ وہ لوگ کچھ دور آگے چلے گئے۔ آپ نے مجھ سے کہا آؤ دوڑ لگاتے ہیں ۔ میں نے ان کے ساتھ دوڑ لگائی تو ان سے آگے نکل گئی۔ آپ خاموش رہے۔ جب میرے جسم پر گوشت آگیا میرا بدن بھاری ہو گیا اور وہ موٹاپے کی طرف مائل ہو گیا تو اگلے سال پھر آپ ﷺ کے ساتھ سفر پر نکلی، آپ ﷺ نے لوگوں سے کہا تم لوگ ذرا آگے چلے جاؤ۔ سب لوگ آگے چلے گئے۔ آپ نے کہا میں تمہارے ساتھ دوڑ لگاتا ہوں۔ اس بار وہ مجھ سے آگے بڑھ گئے۔ آپ ﷺ نے ہنستے ہوئے کہا یہ پہلی دوڑ کا بدلہ ہے۔[59]

**۶۔ کشتی لڑنا:** ابوداؤد و ترمذی میں روایت ہے کہ رکانہ نے محمد ﷺ کے ساتھ کشتی لڑی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ محمد ﷺ نے رکانہ کے بیٹے یزید بن رکانہ سے بھی کشتی لڑی تھی۔ اس کے علاوہ ابوالاسود الجمعی کے ساتھ بھی کشتی لڑی تھی۔ کانہ ایک نہایت طاقتور انسان تھا وہ گائے کے چمڑے پر کھڑا ہو جاتا تھا تو دس آدمی اس کے اطراف سے چمڑا کھینچتے تھے۔ چمڑا ٹکڑے ٹکڑے ہو کر پھٹ جاتا۔ مگر وہ اپنی جگہ سے ہلتا نہیں تھا۔ اس نے محمد ﷺ کو کشتی کی دعوت دی اور کہا اگر آپ ﷺ نے مجھے پچھاڑ دیا تو میں آپ پر ایمان لے آؤں گا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اسے پچھاڑ دیا۔[60]

جلال الدین سیوطی نے ایک رسالہ لکھا ہے "السارعۃ الی المصارعۃ" اس میں رسول اللہ ﷺ کی رکانہ کے ساتھ کشتی کے علاوہ ان چھوٹے صحابہ کی کشتیوں کا بھی تذکرہ کیا ہے جنہوں نے جہاد میں شریک ہونے کی خاطر کشتی لڑی تھی۔ اس کے علاوہ حسن و حسین نے نبی پاک کے سامنے کشتی لڑی تھی[61]۔

**تعلیمی اقدامات:** عہد نبوی میں تعلیم اور تعلم پر شروع ہی سے رسول اللہ ﷺ کی توجہ مبذول رہی۔ اگرچہ مکہ مکرمہ میں کفار و مشرکین کی ایذا رسانیوں اور حالات کی ناسازگاری کی وجہ سے کوئی باقاعدہ درس گاہ نہیں تھی۔ اس کے باوجود معلم انسانیت ﷺ کسی نہ کسی طرح صحابہ کرامؓ کو قرآن اور اسلام کی بنیادی تعلیم دیتے تھے۔

مذاہب عالم اور تہذیب انسانی کی تاریخ میں یہ بلند پایہ اعزاز صرف اسلام کو حاصل ہے کہ علم اور اس کی تعبیر و تشریح نہ تو یونانیوں کی طرح کسی طبقے کی مراث رہی مثلاً اشرافیہ، نہ اس پر کسی نسلی گروہ کا اجارہ قائم ہوا جیسے برہمن اور بنی لاوی اور نہ کلیسا کی انجمن (Church Council) اور پاپائیت جیسا ادارہ یہاں پنپ سکا۔

**خلاصہ کلام**

آخر میں، سامی اور آریائی مذاہب میں تعلیم کا تقابلی مطالعہ، اسلامی تعلیمات کے ساتھ مل کر، ان مذہبی روایات کے اندر سیکھنے کے متنوع زاویوں اور طریقوں کے بارے میں قیمتی بصیرت پیش کرتا ہے۔ مشترکات اور اختلافات کی کھوج کے ذریعے، یہ تحقیق مختلف مذہبی سیاق و سباق میں روحانی اور معاشرتی ترقی کے ایک بنیادی پہلو کے طور پر تعلیم کی اہمیت کو واضح کرتی ہے۔

تعلیم کے بارے میں اسلامی تعلیمات کا جائزہ لے کر، بشمول قرآنی احکام، نبوی روایات، اور علمی گفتگو، یہ مطالعہ اسلامی روایت کے اندر علم کے حصول، اخلاقی ترقی، اور معاشرتی ترقی پر دیے گئے مخصوص زور کو نمایاں کرتا ہے۔ مزید برآں، یہ اس بات پر روشنی ڈالتا ہے کہ یہ اصول سامی اور آریائی مذاہب میں پائے جانے والے تعلیمی نظریات سے کس طرح ہم آہنگ یا ان سے الگ ہوتے ہیں۔

---

[59] احمد، المسند، ص: ۲۶۴/۶

[60] مولانا معظم الحق، دور نبوی کا نظام حکومت، ص: ۲۹۵

[61] ایضاً، ص ۲۹۶